زیر انتظام جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی، سرگودھا فون نمبر: 048-3021536

کیا آپ نے کبھی سوچا ہے؟

☆ ہر شخص کو ایک نہ ایک دن عمل کی دنیا سے رخصت ہوتا ہے اور جزا کے عالم میں سمانا ہے یہاں جو کچھ اور جیسے اس نے عمل کیے اسی لحاظ سے اس کو مقام ملنا ہے خوش نصیب ہیں وہ افراد جنہوں نے اپنے مستقبل پر غور کیا اور اس چند روزہ زندگی میں ایسے کام کیے جس سے ان کی زندگی زیست ہوگئی۔

☆ آپ بھی اگر چاہتے ہیں کہ قیامت تک آپ کے نامہ اعمال میں نیکیاں جاتی رہیں اور ثواب میں اضافہ ہوتا رہے تو فی الفور حیثیت قومی تعمیراتی کاموں میں دلچسپی لیں اور قومی تعمیراتی اداروں کو فعال بنا کر عند اللہ ماجور و عند الناس مشکور ہوں۔

☆ ان قومی اداروں میں سے ایک ادارہ جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ سرگودھا بھی ہے آپ اپنے قومی ادارے جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ کی اس طرح معاونت فرما سکتے ہیں۔

1۔ اپنے ذہین وفطین بچوں کو اسلامی علوم سے روشناس کرانے کیلئے ادارہ میں داخل کروا کر۔

2۔ طلبہ کی کفالت کی ذمہ داری قبول کر کے کیونکہ فرمان معصوم ہے جس کسی نے ایک طالب علم کی ٹوٹے ہوئے قلم سے بھی مدد کی گویا اس نے ستر مرتبہ خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔

3۔ ادارہ کے تعمیراتی منصوبوں کی تکمیل کیلئے سیمنٹ، بجری، ریت، اینٹیں وغیرہ مہیا فرما کر۔

4۔ ادارہ کی طرف سے ماہانہ شائع ہونے والا رسالہ "دقائق اسلام" کے باقاعدہ ممبر بن کر اور بروقت سالانہ چندہ ادا کر کے۔

5۔ ادارہ کے تبلیغاتی پروگراموں کو کامیاب کر کے۔

آپ کی کاوشیں اور آپ کا خرچ کیا ہوا پیسہ صدقہ جاریہ بن کر آپ کے نامہ اعمال میں متواتر اضافے کا باعث بنتا رہے گا۔

ترسیل زر کیلئے

پرنسپل جامعہ علمیہ سلطان المدارس الاسلامیہ

زاہد کالونی عقب جوہر کالونی سرگودھا فون **0301-6702646**

جلد: ۱۳ جنوری، فروری ۲۰۱۰ء شمارہ: ۱۲

مدیر اعلیٰ: ملک ممتاز حسین اعوان

مدیر: گلزار حسین محمدی

پبلشر: ملک ممتاز حسین اعوان

مطبع: انصار پریس بلاک ۱۰

مقام اشاعت: سلطان المدارس سرگودہا

کمپوزنگ: علی حیدر

زرتعاون 200 روپے
لائف ممبر 5000 روپے

فہرست مضامین

عشرہ ہوا تمام شاہ مشرقین کا

امسال عشرۂ محرم الحرام پر حکومت وقت کی طرف حفاظتی انتظامات پر خصوصی توجہ دی گئی اس وجہ سے پورے ملک میں عزاداری سید الشہداء علیہ السلام پرامن طور پر منائی گئی علماء کرام اور ذاکرین نے اتحاد امت کے لئے اپنے بیانات اور خطابات میں رواداری کی فضا کو قائم رکھا کوئی ناخوشگوار واقعہ پیش نہ آیا حکومت وقت کے انتظامات اور احکامات کی وجہ سے پورا ملک پر امن رہا مگر کراچی میں عزادارن حسین علیہ السلام پر عاشورہ کے جلوس میں خودکش حملہ نہایت افسوسناک اور کربناک ہے دشمنان اسلام اور وطن عزیز کی بنیادوں کو کھوکھلا کرنے والے عناصر کے عزائم کھل کر سامنے آگئے ہیں یہ لوگ غیر ملکی آقاؤں کو خوش کرنے کے لئے وطن عزیز میں خون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔

ابھی عاشورۂ محرم کے زخم مندمل نہ ہوئے تھے کہ شہداء کربلا کے چہلم کے موقع دو خود خودکش دھماکوں نے کراچی کو شہر غم بنادیا۔ بہت سی قیمتی جانیں ضائع ہوگئیں سارا شہر سوگوار ہوگیا بلکہ پورا ملک غم کی تصویر بن گیا۔

حکومت وقت ان ملک دشمن عناصر سے پہلے ہی نبرد آزما ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ یہ لوگ اب کسی نرمی اور رعایت کے حق دار نہیں ہیں ان سے آہنی ہاتھوں سے نمٹا جائے اور سر عام پھانسی پر لٹکایا جائے اس کے لیئے اگر قانون سازی کی ضرورت ہو تو قانون سازی کی جائے اور ان کے نیٹ ورک کا خاتمہ کیا جائے اگر دہشت گردی کی یہ صورت حال جاری رہی تو مملکت خداداد پاکستان کے سلامتی اور استحکام کو خطرہ لاحق ہو جائیگا۔ پاکستان کے تمام طبقات مل کر اس دہشت گردی کے خاتمے کے لئے حکومت کا ساتھ دیں اور حکومتی اقدامات کو موثر بنانے کے لیئے اپنی تمام صلاحیتیں بروئے کار لائیں حزب اختلاف بے جا حکومتی اقدامات پر تنقید کرنے کی بجائے مثبت سوچ پیدا کرے اور اس کڑے وقت میں حکومت کا ساتھ دیکر ملک بچانے کی فکر کریں اب اگر ایسا نہ کیا گیا مشرقی پاکستان کیطرح باقی ماندہ پاکستان بھی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیگا اور دشمن اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جائیگا۔

ہر پاکستانی کا فرض ہے کہ وہ ملک کی سلامتی اور استحکام کے لئے اتحاد و یگانگت کا مظاہرہ کرے اور ملک دشمن عناصر کی سرکوبی کے لیئے حکومت کا ساتھ دے افواج پاکستان ہمیشہ کیطرح اب بھی بے مثال قربانیاں دیکر ملک بچاؤ ایجنڈے پر کار فرما ہیں۔

ان دھماکوں اور دہشت گردی میں غیر ملکی ہاتھ ملوث ہونیکا انکار نہیں کیا جا سکتا اس لئے حکمران اپنی خارجہ پالیسی کو نئے خطوط پر استوار کریں اور دشمنوں کے عزائم خاک میں ملانے کے لیئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں۔

غرض حکومت سیاستدان علماء دانشور اور صحافی سب مل کر اس فتنے کو ختم کرنے کی سعی کریں تا کہ وطن عزیز امن کا گہوارہ بن جائے اور پاکستان ترقی کی راہ پر گامزن رہے آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ پاکستان اور اس کے اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو نیست و نابود فرمائے۔

باب العقائد

معجزہ کی تعریف اس کے شرائط اور اس کے دلیل نبوت و امامت ہونے کا بیان

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

حقیقت معجزہ اور اُس کے فعلِ خدا، یا فعلِ نبیؑ و امامؑ ہونے کا بیان:

یہ کھلم کھلا انقلاب زمان اور نیرنگیٔ دہر خوان ہے کہ آج ان مسائل پر بھی خامہ فرسائی کی ضرورت پیش آرہی ہے جو قرآن اور حضرت محمد و آل محمد علیہم السلام کے فرمان کی روشنی میں قریباً چودہ سو سال سے علماء اعلام کے درمیان متفق علیہ اور مسلم الثبوت ہیں۔ جن کو اگر ضروریات دین اسلام سے نہیں تو کم از کم ضروریاتِ مذہب شیعہ خیر البریہ سے تو یقیناً قرار دیا جاسکتا ہے منجملہ ان مسائل و عقائد کے ایک معجزہ کے فعلِ خدا ہونے کا مسئلہ بھی ہے جسے زمانہ ہائے دراز تک متفق علیہ رہنے کے بعد کچھ مخصوص لوگوں نے کچھ عرصہ سے محلِ نزاع و محور قیل وقال بناتے ہوئے اسے نبیؑ و امام کا فعل کہنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے ہم اس باب میں محکمات قرآن کریم، مستند ارشاداتِ معصومینؑ اور بیاناتِ علماء متقدمین و متاخرین کی روشنی میں ثابت کریں گے۔ کہ معجزہ کا حقیقی فاعل خداوند عالم ہے لیکن اصل مقصد میں وارد ہونے سے پہلے بطور تمہید معجزہ کی حقیقت، اس کے شرائط، معجزہ و جادو میں فرق اور محل نزاع کی تنقیح کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ واللہ المستعان و علیہ التکلان

معجزہ کی تعریف:

معجزہ کے لغوی معنی ہیں ''عاجز کنندہ'' اور اصطلاح متکلمین میں ''یعنی معجزہ خداوند عالم کے اُس خارق عادت فعل کا نام ہے۔ جسے وہ اپنے کسی نبیؑ یا اس کے وصیؑ کی صداقت و حقانیت ظاہر کرنے کے لئے ان کے ہاتھوں پر ظاہر کرتا ہے۔ بشرطیکہ، اس کا ظہور مقرون بالتحدی ہو (دعوائے نبوت و امامت کے ساتھ بطور چیلنج مقرون ہو) جس کا مثل پیش کرنے سے ساری مخلوق عاجز ہو۔'' لہٰذا اگر ایسا کوئی فعل نبی یا امام سے اعلان نبوت و امامت سے قبل ظاہر ہو تو اُسے اصطلاح میں ''ارہاص'' کہا جاتا ہے اور اگر نبی یا امام کے علاوہ خدا کے کسی نیک بندے سے کوئی خارق عادت فعل ظاہر ہو تو اُسے کرامت کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کما لا تخفی ھذہ الحقائق علی من راجع کتب الفن (سبیل النجاۃ فی اصول الاعتقادات ص ۱۰۷ وغیرہ)

معجزہ کے لئے شرائط:

معجزہ کے چند شرائط ہیں جن کی طرف گو اجمالی اشارہ تو تعریف میں موجود ہے مگر ان کی ذیل میں قدرے وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) معجزہ کو ایسا قطعی ہونا چاہیئے جس سے منکرین کے انکار کی تمام

راہیں بند ہو جائیں۔

(۲) معجزہ کو دعوائے نبوت یا امامت کے ساتھ مقارن ہونا چاہئے۔

(۳) معجزہ کو دعویٰ کے مطابق ہونا چاہئے۔ یعنی معجزہ مصدقہ ہو نہ معجزہ مکذبہ جس طرح مسیلمہ کذاب نے جب ایک کانے کی آنکھ پر بغرض شفا اپنا نجس ہاتھ پھیرا تو اس کی دوسری آنکھ بھی ختم ہو گئی تھی۔

(۴) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ صاحب اعجاز کے علاوہ باقی تمام لوگ اس کا مثل لانے سے عاجز ہوں۔

(۵) معجزہ کو مقتضائے عادت ونوامیس طبیعت کے خلاف ہونا چاہئے۔ کیونکہ ناممکن عادی کو وجود میں لانے کا نام معجزہ ہے نہ کہ ناممکن عقلی کو ممکن بنانے کا۔ الغرض معجزہ عالم اسباب اور نیچر کے قانون کے خلاف ہوتا ہے جیسے آگ کا سرد ہو جانا۔ پانی کے بہاؤ کا رک جانا۔ وغیرہ محال عقلی کو اس کے ذریعہ ممکن نہیں بنایا جاسکتا ہے۔ جیسے اجتماع ضدین وغیرہ کیونکہ ناممکن عقلی میں یہ صلاحیت ہی نہیں ہے کہ قدرت کاملہ کا اس سے تعلق ہو۔

(۶) معجزہ کو ایسا ہونا چاہئے کہ اس کا کوئی ظاہری اور مادی سبب موجود نہ ہو۔ جیسا کہ علم سیمیا، ریمیا، کیمیا، لیمیا اور ہیمیا میں ہوتا ہے۔ فتدبر

(۷) اظہار معجزہ کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ کچھ لوگ اس کی درخواست کریں۔ یا ایسے لوگ موجود ہوں جن کی اعجاز نمائی کی وجہ سے ہدایت کی توقع ہو۔

(۸) معجزہ کو فعل خدا ہونا چاہئے۔ (اس کی تفصیل ذیل میں آرہی ہے انشاالی غیر ذالک من الشرائط (شرح تجرید الکلم الطیب وغیرہ)

معجزہ دلیل نبوت وامامت ہے:

خداوند عالم جن لوگوں کی طرف نبی وامام بھیجتا ہے ان کے طبائع اور عقول وافہام مختلف ہوتے ہیں۔ بعض ایسے بلند طبع اور کامل العقل ہوتے ہیں۔ جو صرف ان بزرگوں کے علمی وعملی کمالات اور ان کے مقدس تعلیمات کو دیکھ کر ہی معلوم کر لیتے ہیں۔ کہ یہ خدا کے فرستادہ ہادی وراہنما ہیں۔ مگر عامۃ الناس اس قدر استعداد ولیاقت نہیں رکھتے۔ اور نہ اس قدر ژرف بین نگاہ کے مالک ہوتے ہیں۔ کہ وہ وقائق کو سمجھ کر ان کی تصدیق کرسکیں۔ اس لئے عقل فیصلہ کرتی ہے کہ ان ذوات مقدسہ کے پاس کوئی ایسی قطعی علامت ہونی لازم ہے جسے دیکھ کر ہر کس وناکس پر ان کی صداقت وحقانیت روز روشن کی طرح واضح وآشکار ہو جائے۔ ایسی قطعی علامت نبوت وامامت کو اہل شرع معجزہ کہتے ہیں۔ مثلاً نبی آکر یہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں خدا کی طرف سے آیا ہوں۔ میں اس کا قانون لایا ہوں میری ہر بات حق اور واجب القبول ہے۔ اس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں ہے تم مجھ پر اور میری باتوں پر ایمان لے آؤ۔ ظاہر ہے کہ یہ ایک دعویٰ ہے اور بہت بڑا دعویٰ۔ اور یہ بھی واضح ہے کہ کوئی دعویٰ دلیل وبرہان کے بغیر قابل قبول نہیں ہوتا۔ لوگوں نے نہ تو اسے نبی بنتے دیکھا ہے۔ اور نہ ہی آنکھوں سے اس پر قانون اترتے دیکھا ہے۔ پڑھے لکھے عقلمند اور سمجھدار لوگ تو یہ دیکھ کر کہ وہ شخص جس نے کسی مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی۔ جس نے کسی معلم کے سامنے زانوئے ادب تہہ نہیں کیا۔ وہ یک دم دعوائے نبوت کر کے وہ وہ علوم اور جامع قانون پیش کر رہا ہے کہ جس کے سامنے

بڑے بڑے علماء وفضلاء دم بخود ہیں۔ سمجھ جائیں گے کہ وہ واقعی اپنے دعویٰ میں سچا ہے مگر پھر بھی عامۃ الناس کے اطمینانِ قلب کے لئے کسی اور قطعی ثبوت کی ضرورت ہے۔ جب وہ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں ایسی چیز دکھائے گا جس کی نظیر پیش کرنے سے تمام مخلوق عاجز ہو۔ اور وہ کام کر کے دکھائے۔ جس پر صرف خدا ہی قدرت رکھتا ہو اور انسانی دسترس سے بالا ہو۔ تو یقیناً وہ اس بات کی دلیل ہوگا۔ کہ یہ شخص اپنے دعویٰ میں سچا ہے اور فی الواقع وہ فرستادۂ خداوندی ہے اور خدا نے یہ خارق عادت امر بطور سند اس کے ہاتھوں پر ظاہر کیا ہے کیونکہ معجزہ درحقیقت خدا کا فعل ہوتا ہے۔ اس لئے تو لوگ اس کو کسی شخص کے ہاتھ پر ظاہر ہوتے ہوئے دیکھ کر یہ یقین کر لیتے ہیں کہ خدا کا فرستادہ ہے۔ ورنہ خدا اس کے ہاتھ پر ایسا فعل ظاہر نہ کرتا۔ یہ معجزات بحسب حالات زمان و مکان و اشخاص مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ پر نار کو گلزار بنا دیا۔ کسی کے ہاتھ پر عصا کو اژدہا بنا دیا۔ کسی کے ہاتھوں پر مردہ کو زندہ کر دیا۔ کسی کو قران جیسا عدیم النظیر علمی معجزہ خالدہ عطا فرمایا۔ لیکن دلیل نبوت میں سب باہم شریک ہیں۔ اس بیان سے واضح وعیاں ہوگیا کہ نبوت ایک دعویٰ ہے اور معجزہ اس کی دلیل جسے دیکھ کر عقل سلیم وطبع مستقیم رکھنے والے ان پر ایمان لا کر سعادت حاصل کرتے ہیں۔ اور تعصب وعناد سے انکار کرنے والے دین ودنیا میں خائب وخاسر ہوتے ہیں و ذلک هو الخسران المبین۔ (و کذا الکلام فی ضرورت المعجزة للامام المدعی للقیام بحمل عباء النبوة و اداء فرائضها للانام. کما لا یخفی علیٰ اولی الافهام)

بقیہ صفحہ نمبر ۶

آیت مبارکہ نازل ہوئی یا ایها الذین امنوا لا تحرموا طیبات ما احل الله لکم و لا تعتدوا ان الله لا یحب المعتدین (اے ایمان والو۔ اللہ نے جن پاکیزہ چیزوں کو حلال کیا ہے انہیں اپنے اوپر حرام نہ کرو اور حد سے آگے نہ بڑھا کرو۔ کیونکہ خدا حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا) نیز ارشاد قدرت ہے۔ قل من حرم زینة الله التی اخرج لعباده و الطیبات من الرزق (اے رسول کہہ دو۔ کس نے اللہ کی اس زینت کو حرام قرار دیا ہے جو اس نے اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور پاکیزہ رزق کس نے حرام قرار دیئے ہیں)۔

باب الاعمال

اسلام میں حفظان صحت کی اہمیت اور ترک لذات کی ممانعت

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

اسلام میں حفظان صحت کی اہمیت:

اسلام دین فطرت ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ خدائے حکیم نے اسلام کو ایسا جامع دستور حیات بنا کر بھیجا ہے کہ اگر اس کے مطابق زندگی بسر کی جائے تو انسان کی تمام فطری خواہشات احسن طریقہ سے پوری ہو جاتی ہیں۔

اسلام انسان کی کسی فطری خواہش کو کچلنے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ اسے حد اعتدال کے اندر رکھ کر اس کی خواہشات کو حیوانی خواہشات سے ممتاز رکھنا چاہتا ہے۔

اسلام جسم و روح دونوں کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اگر ایک طرف وہ روح انسانی کو ترقی کا راستہ دکھاتا ہے تو دوسری طرف جسم انسانی کو بھی صحت و ترقی کے احکام سے آگاہ کرتا ہے۔

روحانیت اور مادیت میں صحیح توازن قائم رکھ کر دنیا کا نظام چلانا ہی اسلام کا طرۂ امتیاز ہے اس سے پہلے یہودیت میں نقص تھا کہ اس نے روحانیت کو بالکل نظر انداز کر کے صرف مادی ترقی کو ہی قبلہ مقصود بنا لیا تھا اور عیسائیت میں یہ عیب تھا کہ اس نے جسمانی تقاضوں کو یکسر بالائے طاق رکھ کر اپنی تمام تر توجہ روحانی ترقی پر مرکوز کر دی تھی اور اسی مقصد کے لئے رہبانیت جیسی خلاف فطرت چیز کو حقیقی دین قرار دے لیا تھا۔ اسی طرح دوسری قومیں بھی افراط و تفریط میں مبتلا تھیں اور ان حالات میں گھر کر انسانیت دم توڑ رہی تھی کہ خدائے منان نے از راہ لطف و احسان اسلام کو دم توڑتی دنیا کے لئے نئی زندگی کا پیغام بنا کر اپنے نبی آخر الزمان کی معرفت بھیجا۔ جسم و روح کے لئے کوئی سودمند اور مفید چیز ایسی نہیں جو اسلام نے بیان نہ کی ہو۔ ذیل میں صرف جسمانی صحت و صفائی کے متعلق اسلام کی بعض ہدایات پیش کی جاتی ہیں۔

اسلام میں ترک لذات کی ممانعت:

چونکہ حلال اور جائز لذائز کے ترک سے انسانی صحت متاثر ہوتی ہے اس لئے اسلام جائز لذائز کے ترک کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کا دعویٰ ہے کہ اسی دنیا سے دین بنتا ہے اور دنیا آخرت کی کھیتی ہے بعض صحابہ نے اپنی بیویوں کے پاس آنا جانا چھوڑ کر دن کو روزہ اور رات کو قیام شروع کر دیا جب آنحضرتؐ کو اطلاع ملی تو ان کو اس روش پر ٹوکا اور فرمایا تمہارے نفسوں کے تم پر کچھ حقوق ہیں تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے روزہ رکھو۔ پر کبھی افطار بھی کرو۔ نماز پڑھو۔ مگر رات کو آرام بھی کرو۔ جو شخص ہمارے طریقے پر نہیں چلتا وہ ہم سے نہیں ہے اس واقعہ کے بعد یہ

بقیہ صفحہ ۵ پر ملاحظہ فرمائیں

باب التفسیر

جہاد اس لیئے واجب ھے کہ مؤمن اور منافق کی پہچان ھو

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس، و پرنسپل سلطان المدارس

اولما اصابتکم مصیبۃ قد اصبتم مثلیھا قلتم انی ھذا قل ھو من عند انفسکم ان اللہ علی کل شئی قدیر (۱۶۵) و ما اصابکم یوم التقی الجمعان فباذن اللہ و لیعلم المومنین (۱۶۶) و لیعلم الذین نافقوا و قیل لھم تعالوا قاتلوا فی سبیل اللہ او ادفعوا قالوا لو نعلم قتالا لا تبعناکم ھم للکفر یومئذ اقرب منھم للایمان یقولون بافواھھم ما لیس فی قلوبھم واللہ اعلم بما یکتمون (۱۶۷)

ترجمہ:

(اے مسلمانو! تمہارا کیا حال ہے) کہ جب تم پر (جنگ احد میں) کوئی ایسی مصیبت آپڑی جس سے دگنی مصیبت تم دوسرے فریق کو (جنگ بدر میں) پہنچا چکے تھے۔ تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی؟ کہہ دیجئے۔ یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے۔ اللہ ہر چیز پر قادر ہے (۱۶۵) اور جو دو جماعتوں کی مڈ بھیڑ والے دن (جنگ احد میں) تم پر جو مصیبت آئی وہ خدا کے اذن سے آئی تا کہ اللہ دیکھ لے (مخلص) مومن کون ہیں۔ (۱۶۶)

حقیقت شناس لوگ تو جانتے ہیں کہ فتح و شکست کا دارو مدار ظاہری آلات و اسباب پر ہوتا ہے اور جنگیں معجزات سے نہیں جیتی جاتیں بلکہ۔ لاؤ لشکر اور اسکی جنگی مہارت اور تدبیر حرب و ضرب سے جیتی جاتی ہیں۔ مگر عام مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ جب ہم حق پر ہیں۔ رسول اللہ ہمارے درمیان موجود ہیں اور اللہ کی تائید و نصرت ہمارے ساتھ ہے۔ تو کفار کبھی فتح حاصل کر ہی نہیں سکتے۔ لہٰذا جب جنگ احد میں خلاف توقع ان کو شکست ہوئی تو ان کے اس خیال کو سخت دھچکا لگا اور وہ پریشان ہو کر کہنے لگے۔ کہ ایسا کیوں ہوا یہ کیا ہوا؟ ان کے اسی پریشانی کو دور کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے کہ یہ جو کچھ ہوا تمہارے ہاتھوں کے کرتوتوں کی وجہ سے ہوا نہ تم رسول کی حکم [?] عدولی کرتے نہ درہ کو خالی چھوڑتے۔ نہ دشمن عقب سے حملہ کر کے تمہیں شکست سے دوچار کرتا۔ اور اگر تمہارے ستر آدمی مارے گئے ہیں تو تم اس سے پہلے (جنگ بدر میں) اس سے دوگنا نقصان دشمن کو پہنچا چکے ہو اسکے ستر آدمی قتل کر چکے ہو اور ستر کو قیدی بنا چکے ہو۔

"اور پھر یہ جو کچھ ہوا خدا کے اذن و مشیت سے ہوا۔ جو قادر مطلق ہے جو تمہیں فتح و فیروزی بھی عطا فرما سکتا ہے اور تمہیں شکست سے دوچار بھی کر سکتا ہے۔

جہاد اس لئے واجب ہے کہ مؤمن و منافق کی پہچان ہو جائے:

اور پھر اس میں ایک بڑی حکمت یہ بھی مضمر تھی کہ خدا مومن و منافق کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہتا تھا اور دیکھنا دکھانا چاہتا تھا کہ مومن کون ہے اور منافق کون ہے اور منافق کون ہے؟! اسمیں کوئی شک نہیں ہے کہ خدا کا علم ازلی و ابدی ہے اور چیزوں کی خلقت اور

وقوع پذیر ہونے سے پہلے اسے ان کا اسی طرح علم ہوتا ہے جس طرح خلقت اور واقع ہونے کے بعد لہٰذا اگر کوئی شئی وقوع پذیر ہونے والی ہی نہ ہو تو وہ معلوم کیونکر ہوگی؟ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ باعتبار زمانہ اللہ کو اس وقت علم ہوگا جب واقعہ عالم خارج میں ظاہر ہو جائے علم تو ازلی سے ہے مگر ہے وہ اسی بنا پر کہ یہ شئی اپنے وقت پر وقوع میں آئے گی۔ اس فلسفہ سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جہاد کے واجب ہونے اور فتح و شکست سے دوچار ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے مخلص مومن اور منافق کی پہچان ہو جائے کہ میدان کارزار میں جم کر لڑ کے اپنے ایمان کا ثبوت کون پیش کرتا ہے اور اس سے راہ فرار اختیار کر کے اپنے منافق ہونے کا ثبوت کون پیش کرتا ہے؟؟

اس آیت میں منافقین کے کردار اور ان کی روش و رفتار کی مزید نشاندہی کی گئی ہے کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ راہ خدا میں جہاد کرو۔ یا کم از کم اپنے مال و جان اور قوم و وطن کا دفاع ہی کرو۔ تو وہ مختلف حیلوں بہانوں سے کام لیتے بس چنانچہ جب عبداللہ ابن ابی مدینہ سے احد آتے ہوئے راستہ سے اپنے تین سو منافق ساتھیوں سمیت واپس لوٹنے لگا تو اسے سمجھا بجھا کر ہمراہ چلنے کے لئے راضی کرنے کی کوشش کی گئی مگر اس نے جواب دیا **"لو نعلم قتالاً لا تبعناکم"** اگر ہمیں علم ہوتا کہ جنگ ہوگی تو ہم تمہارے ساتھ چلتے۔ یعنی جنگ نہیں ہوگی۔ لہٰذا ہم تمہارے ہمراہ نہیں چلتے۔ اس جملہ کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اس نے کہا کہ ہم اسے جنگ ہی جانتے کیونکہ جنگ میں دو طاقتوں کے درمیان تناسب ضروری ہے۔ لہٰذا اپنے سے چار گنا زیادہ اور وہ بھی اسلحۂ جنگ سے پوری طرح لیس کے ساتھ لڑنا خودکشی ہے جنگ نہیں ہے۔ ہم جنگ میں تو ساتھ دینے کے لئے تیار ہیں مگر خودکشی میں نہیں۔ خدا فرماتا ہے وہ جب یہ بات کہہ رہے تھے وہ ایمان کی نسبت کفر کے زیادہ قریب تھے۔ اور ان کی منافقت کی دوسری کھلی ہوئی علامت ان کا وہ قول ہے جسے خدا نے یوں نقل کیا ہے کہ **"الذین قالوا لاخوانھم"** جنہوں نے گھروں میں بیٹھ کر اپنے شہید ہونے والے بھائیوں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ ہماری پیروی کرتے (اور جہاد کرنے نہ جاتے) تو مارے نہ جاتے۔ خداوند عالم ان کے جواب میں فرماتا ہے کہ اے رسول! ان سے کہو۔ کہ اگر تم سچے ہو تو جب تمہاری موت آئے تو اسے ٹال کے دکھا دینا حالانکہ **"یدرکم الموت و لو کنتم فی بروج مشیدة"** تو جب ایک نہ ایک دن مرنا ضرور ہے اور اگر فرار کے بعد بھی اس کا مزہ چکھنا ہے تو اگر یہ موت ایک فرض کی ادائیگی میں آئے اور اس طرح جان جان آفریں کے حوالے کی جائے تو اس سے بڑھ کر اور سعادت و عبادت کیا ہے؟

باب الحدیث

کچھ برادران ایمانی کے حقوق کے بارے میں

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

گذشتہ شمارہ میں اس عنوان کے تحت برادران ایمان کے کچھ حقوق کا تذکرہ کیا گیا تھا مگر موضوع کی وسعت اور اہمیت کے پیش نظر ہم چاہتے ہیں اس شمارے میں بھی اس عنوان پر مزید قلم فرسائی کی جائے۔

محمد بن عجلان بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہم السلام کی خدمت میں بیٹھا تھا کہ ایک شخص انکی خدمت میں وارد ہوا۔ آپ نے اس سے پوچھا اپنے دینی بھائیوں کو کس حال میں چھوڑ آیا ہے؟

اس نے ان کی بڑی تعریف وتوصیف بیان کی! امام نے فرمایا: آیا ان کے مالدار لوگ غریب ونادر لوگوں کی مزاج پرسی کرتے ہیں؟ اس نے عرض کیا بہت کم۔ فرمایا کی وہ (مالدار) ان (غریبوں) کی دیکھ بھال کرتے ہیں؟ عرض کیا بہت کم۔ پھر فرمایا کیا وہ (مالدار) ان (غریبوں) کے ساتھ صلہ رحمی کرتے ہیں؟ عرض کیا مولا آپ اپنے اخلاق و عادات کا تذکرہ کر رہے ہیں جو ہمارے لوگوں میں بہت کم پائے جاتے ہیں اس پر امام نے فرمایا پھر وہ لوگ کس طرح گمان کرتے ہیں کہ وہ ہمارے شیعہ ہیں؟ (اصول کافی)

ابو اسماعیل بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میں آپ پر قربان ہو جاؤں ہمارے ہاں شیعہ بہت ہیں امام نے یہ سنکر فرمایا کیا ان کا مالدار غریب ونادار پر مہربانی کرتا ہے؟ اور کیا ان کا محسن ان کے خطا کار سے درگذر کرتا ہے اور کیا وہ آپسمیں مواسات اور ہمدری کا برتاؤ برتتے ہیں؟ میں نے عرض کیا۔ نہیں وہ ایسا تو نہیں کرتے؟ فرمایا پھر وہ ہمارے شیعہ نہیں ہیں شیعہ وہ ہے جو یہ کام کرتا ہے (ایضا)

ابو حمزہ حضرت امام زین العابدین سے روایت رتے ہیں فرمایا مؤمن پر واجب ہے کہ اپنے مؤمن بھائی کے ستر گناہان کبیرہ کو چھپائے (اور لوگوں میں ان کا اظہار کر کے اسے رسوا نہ کرے) (ایضا)

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ حضرت رسول خدا نے فرمایا کہ ایک مسلمان پر لازم ہے کہ وہ جب سفر پر جائے تو اپنے بھائیوں کو اطلاع دے اور ان پر لازم ہے کہ جب وہ سفر سے واپس آئے تو وہ اسکی ملاقات کے لئے جائیں۔ (ایضا)

نیز انہی صاحب سے مروی ہے فرمایا مؤمن کا حق ادا کرنے سے بہتر کسی چیز سے خدا کی عبادت نہیں کی گئی (ایضا) ولنعم ما قیل

یہی ہے عبادت یہی دین و ایمان
کہ کام آئے دنیا میں انسان کے انسان

باب المسائل

سوالات کے جوابات

بمطابق فتوی آیت اللہ محمد حسین نجفی دام ظلہ العالی

گذشتہ سے پیوستہ سوالات سید عارف حسین صاحب آف ڈیرہ اسماعیل خان کے سوالات کے جوابات پیش کئے جاتے ہیں

سوال نمبر ۱۵۱: حکومتوں کے خلاف جب بھی اور جو بھی مزاحمت اٹھتی ہے تو ان چار قسم کی مزاحمتوں سے علیحدہ نہیں ہوتی اور مزاحمت سے چار قسمیں سیاسی ہیں حضرت امام حسین علیہ السلام کو ان چار شقوں سے کس شق میں شمار کیا جائے بہر حال سیاسی عمل کہلائے گا۔

۱۔ حصول اقتدار کے لئے سرگرمی

۲۔ کسی حکومت کے خلاف یا اسکی کسی پالیسی کے خلاف مزاحمت

۳۔ ملک کے نظام قانون کے خلاف یا پورے نظام کی تبدیلی اور حکومت کا ڈھانچا بدلنے کیلئے سرگرمی

۴۔ بیرونی ممالک کی مداخلت اور اسکی پالیسی اور سرگرمیوں کے خلاف مزاحمت،، قیام حسینی کو سیاسی قیام قرار دینے پر آپ کیا فرمائینگے اپنی تحقیق وفکر سے روشناس کرائیں

الجواب: باسمہ سبحانہ سیاست کا لفظ جو بدنام ہوا ہے تو وہ مکیاولوی یا معاویہ کی سیاست کی وجہ سے ورنہ فی حد ذاتی اس لفظ میں نہ کوئی خوبی ہے اور نہ خرابی۔ قباحت سے اچھائی یا برائی حاصل کرتا ہے لی جائے تو پھر کہنا پڑتا ہے کہ دین عین سیاست اور سیاست عین دین ہے۔ ان کی باہمی جدائی کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ بقول ڈاکٹر اقبال

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

آپ چاہیں تو اسے دینی انقلاب کا نام دیں کہ یا کفر اسلام، ایمان بے ایمانی یا حق و باطل کی جنگ تھی اور چاہیں تو اسے سیاسی جنگ کی تیسری قسم قرار دیں کہ حضرت امام حسین نے پوری نظام یزیدیت کی تبدیلی اور حقیقی نظام اسلام کے نفاذ کی خاطر یہ جنگ لڑی تھی ولا مشاحۃ فی الاصطلاح

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا

غواص کو موتی کی طلب ہے نہ صدف کی

اور یہی غرض و غایت ہماری عزاداری منانے کی ہے ہم چاہتے ہیں کہ

افعال یزیدی مٹ جائیں مظلوم سے الفت پیدا ہو

اس واسطے ان کے درد بھرے احوال سنائے جاتے ہیں

سوال ۱۵۲: بدعت وہ کام ہے جو مذہب کے نام پر کیا جائے لوگ اسے دین کا جزو سمجھیں حالانکہ اس کا مذہب سے کوئی تعلق نہ ہو حوالہ کتاب تخن شہید مطہری ص ۱۵۴ ہمارے ہاں عزاداری جو پاک وہند میں ہوتی ہے اسکی تمام رسوم کو دین سمجھا جاتا ہے۔ اس عنوان سے پاکستان میں ایک عالم کافی واضح وعیاں تحریر کر رہے ہیں۔ آپ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ اس موضوع پر ہم نے اپنی کتاب اصلاح الرسوم میں بہت وضاحت وصراحت سے حقائق بیان کردے ہیں بدعت کی تعریف اور اس سے متعلقہ مباحث پر سیر حاصل گفتگو کی ہے۔ جہاں تک عزاداری منانے کا تعلق ہے تو ایک فطری تقاضا ہے۔ کہ ہر محب صادق اپنے محبوب کی خوشی اور غم میں اس کا شریک ہوتا ہے۔ کیونکہ جہاں آگ جلتی ہے وہی جگہ گرم ہوتی ہے۔ اور جہاں تک اسکے رسوم کا تعلق ہے۔ تو وہاں انکے جواز اور عدم جواز کا میزان اللہ تعالیٰ کا قرآن اور چودہ معصومین کا فرمان ہے لہذا جو رسم اسکے مطابق ہے وہ جائز ہوگی اور جو ان سے متصادم ہوگی وہ ناجائز ہوگی اِسکی تفصیل اصلاح الرسوم میں دیکھی جاسکتی ہے۔ جس عالم کی تحریر کا تذکرہ کیا ہے اگر اسمیں افراط نہ ہوتا تو اچھی تھی مگر افراط ہو یا تفریط دونوں مذموم ہیں۔

سوال ۱۵۳: کتاب مذکور یعنی تخن از شہید مطہری کے ص ۲۰۰ پر لکھا ہے بشرطیکہ یہ مان لیا جائے کہ آدم بھی پیغمبر تھے اور ان کا بھی کوئی معجزہ تھا کیونکہ بعض کا خیال ہے کہ آدم پیغمبر نہ تھے آپ کیا فرماتے ہیں؟

الجواب: باسمہ سبحانہ یہ حقیقت ہر قسم کے شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ جناب آدم پیغمبر تھے۔ اور بنص قرآن "انی جاعل فی الارض خلیفۃ"۔ خلیفۃ اللہ تھے۔ اور اس پر تمام علماء اسلام کا اتفاق ہے۔

سوال ۱۵۴: اے محمدؐ! تجھے پیدا نہ کرتا یا اے محمدؐ وآل محمدؐ۔ تمہیں پیدا نہ کرتا تو زمین وافلاک کائنات کچھ بھی نہ بناتا۔ یعنی محمدؐ وآل محمدؐ باعث تخلیق کائنات ہیں۔ ہماری یا اہلسنت کی کس کتاب میں کن الفاظ پر مشتمل حدیث ہے مستند یا غیر مستند؟؟

الجواب: باسمہ سبحانہ کسی بھی چیز کے وجود میں آنے کی چار علتیں ہوتی ہیں جن کو علل اربعہ کہا جاتا ہے۔

۱۔ علت مادی

۲۔ علت صوری

۳۔ علت عفت فاعلی

۴۔ اور علت غائی ہمارا عقیدہ ہے سرکار محمد وآل محمد علیہ السلام علت غائی کائنات میں یعنی خداوند علیم وحکیم نے انکی خاطر اور انکی وجہ سے کائنات ارضی وسماوی کو پیدا کیا ہے جیسا کہ حضرت شیخ صدوق علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ اعتقادیہ میں صراحت فرمائی ہے کہ ان اللہ خلق الخلق لہ ولاھلبیتہ کہ یا خدا نے تمام مخلوق حضرت رسول اللہ اور انکی اہلبیت کی خاطر پیدا فرمائی ہے۔ اور اس موضوع کی صحت پر بہت عقلی ونقلی دلائل موجود ہیں جن کا ایک شمہ ہم نے احسن الفوائد میں بیان کیا ہے۔ یہ حدیث جس کی طرف سوال میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی لولاک لما خلقت الافلاک۔ اگرچہ مشہور بہت ہے۔ مگر آج تک کسی شیعی یا سنی کتاب میں سند کے ساتھ نظر قاصر سے نہیں گذری۔ اور شیخی فرقہ تو ان ذوات مقدسہ کو کائنات کی علل اربعہ جانتا ہے جیسا کہ احسائی نے شرح الزیارۃ میں صراحت کی ہے۔ جو کہ سراسر کفر ہے۔ اسکی تفصیل اصول الشریعہ میں دیکھی جاسکتی ہے۔

سوال ۱۵۵: حضرت امام حسین نے فرمایا کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ حق پر عمل نہیں ہو رہا اور باطل سے اجتناب نہیں کیا جاتا۔ ان حالات میں ہر مومن کا فرض ہے کہ شہادت کیلئے تیار ہو جائے۔ کیا امام حسینؑ کی شہادت کے بعد مقصد حسینؑ پورا ہوا کیا حق پر عمل اور باطل سے اجتناب ہونے لگا۔ نیز امام حسینؑ کے علاوہ دیگر ائمہ کا

قیام نہ فرمانا اس وقت حق پر عمل ہونے اور باطل سے اجتناب کا مرہون منت تھا؟ وضاحت فرمائیں!

الجواب: باسمہ سبحانہ اگر بنظر تحقیق اس وقت کے حالات وکوائف کا جائزہ لیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جس وقت حضرت امام حسینؑ نے مذکورہ بالا کلمات ارشاد فرمائے اس حقیقت حق کو حق اور باطل کو باطل سمجھا ہی نہیں جارہا تھا بلکہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھا جارہا تھا۔ یعنی حق وباطل کے پیمانے ہی بدل گئے تھے۔ لہٰذا امام عالیمقام نے جام شہادت نوش کر کے قیامت تک حق کو حق اور باطل کو باطل ثابت کردیا۔ لہٰذا اگر شہادت کے بعد اور دوسرے ائمہ اہلبیت کے ادوار میں اگر حق پر پوری عمل نہیں ہوا اور باطل سے مکمل طور پر اجتناب نہیں ہوا تم ازکم حق وباطل کے پیمانے تو بحال ہوگئے۔ اور عامۃ الناس حق کو حق اور باطل کو باطل تو سمجھنے لگے۔ اور ان پر واضح وآشکار ہوگیا ہے کہ حسینیت کیا ہے اور یزیدیت کیا ہے؟ اور حق کیا ہے اور باطل کیا ہے اور یہی بات کسی بھی ہادی اور رہنما کی اپنے مقصد میں کامیابی کی بڑی دلیل ہے اور وجوب قیام کے ساقط ہونے کیلئے کافی ووافی ہے۔

سوال ۱۵۶: عزاداری سید الشہداء نے ہی اسلام اور مذہب تشیع کا آج تک تحفظ کیا ہے آپ کیا تبصرہ فرمائینگے؟

الجواب: باسمہ سبحانہ یہ کہنا تو مبالغہ پر مبنی ہے کہ عزاداری سید الشہداء نے ہی اسلام اور مذہب شیعہ کا تحفظ کیا ہے۔ ہاں البتہ یہ کہنا صحیح ہے کہ مقصد شہادت حسینؑ یعنی دین اسلام، مذہب تشیع اور انسانیت کی بقا میں دوسرے عوامل کے علاوہ عزاداری سید الشہداء کا بڑا حصہ ہے تاریخ اسلام کے تاریک ترین ادوار میں بھی اہل ایمان کا مجالس عزا کے نام پر جمع ہونا اور حقائق اسلام اور دقائق مذہب کا بیان کرنا اور مقصد شہادت حسینؑ کا تذکرہ کرنا اور اس مقصد پر عمل کرنے کا جذبہ اس بات نے احیاء اسلام ومذہب میں بڑا موثر کردار ادا کیا ہے۔ اور اسکے علاوہ دین اور اس کے قیام، علماء اعلام کے حکم وبیان، اور انکی تصانیف وتالیفات اور اہل ایمان کے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے اس سلسلہ میں مثبت کردار ادا کرنے کا بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ اس طرح ان شہیدانِ راہ حق کی شہادتوں کے آثار خالدہ کا بھی انکار ممکن نہیں ہے جنھوں نے اپنی زندگیوں کے چراغ گل کرا کر بھی اسلام و ایمان کی شمع کو ہر حال میں روشن رکھا۔ جزاھم اللہ عن الحق و اھلہ خیر الجزاء۔

چہ خوش رسمے بنا کردند بخاک و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

باب المتفرقات

حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کا اندازِ اصلاح

از ڈاکٹر ملک افتخار احمد اعوان سرگودہا

زین العابدین۔ سید الساجدین حضرت علی ابن الحسین ابن علی علیہ السلام کی شہادت ۲۵ محرم الحرام کو منایا گیا۔ اس موقع پر ہم اپنے امام زمانہ حجرت حجت القائم مہدی دوران عجل اللہ فرجہ الشریف کی خدمت میں تعزیت پیش کرتے ہیں۔

زین العابدین کی وجہ:

روایت میں ہے کہ جب زہری حضرت علی ابن الحسین علیہ السلام سے روایت کرتا تو کہتا کہ مجھے زین العابدین علی ابن الحسین نے خبر دی ہے۔ سفیان بن عینیہ نے پوچھا کہ حضرت کو زین العابدین کیوں کہتے ہو تو زہری نے کہا کہ اس کی وجہ یہ ہے۔ کہ میں نے سعید بن مسیب سے سنا ہے۔ اس نے ابن عباس سے روایت کی ہے۔ کہ رسولؐ خدا نے فرمایا کہ جب قیامت کا دن ہوگا تو منادی ندا کرے گا کہ زین العابدین کہاں ہے۔ پس گویا میں دیکھ رہا ہوں۔ میرا بیٹا علی ابن الحسین بن علی ابن ابی طالب علیہ السلام اس وقت پورے وقار و سکون کے ساتھ اہل محشر کی صفوں کو چیرتے ہوئے آئے گا۔

کشف الغمہ میں ہے۔ کہ آپ کے زین العابدین کے لقب سے ملقب ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ ایک رات آپ محراب عبادت میں تہجد کے لئے کھڑے ہوئے تھے۔ کہ شیطان ایک بہت بڑے اژدہا کی صورت میں ظاہر ہوا۔ تا کہ حضرت کو عبادت سے اپنی طرف مشغول رکھے لیکن آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ پس وہ لعین آگے بڑھا۔ اور اس نے آپ کے پاؤں کا انگوٹھا منہ میں لے کر اسے چبانا شروع کر دیا۔ جس سے آپ کو تکلیف تو ہوئی لیکن پھر بھی آپ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ جب آپ نماز سے فارغ ہوئے۔ تو معلوم ہوا کہ یہ شیطان ہے۔ آپ نے اس پر لعنت کی اور اس کے منہ پر طمانچہ لگایا اور فرمایا دفع ہو جا ملعون۔ اور پھر دوبارہ عبادت میں مشغول ہو گئے۔ پس ہاتف کی ندا سنی گئی کہ جس نے آپ کو پکار کر تین مرتبہ کہا کہ "انت زین العابدین" تو عبادت کرنے والوں کی زینت ہے۔ پس یہ لقب لوگوں میں ظاہر اور مشہور ہو گیا۔

انداز اصلاح اور مکارم اخلاق:

شیخ مفید علیہ الرحمہ نے روایت کی ہے۔ کہ امام زین العابدینؑ کے رشتہ داروں میں سے ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور اس نے حضرت کو نازیبا الفاظ کہنے شروع کر دیے۔ آپ نے اس کے جواب میں کچھ نہ فرمایا۔ جب وہ شخص چلا گیا۔ تو آپ نے اپنے اہل مجلس سے فرمایا۔ تم لوگوں نے سنا جو کچھ اس نے کہا ہے۔ اب میں چاہتا ہوں کہ میرے ساتھ چلو تا کہ اس کے پاس جا کر میرا جواب بھی سنو۔ وہ کہنے لگا ہم ساتھ چلتے ہیں اور ہم چاہتے تو تھے کہ آپ اسی وقت اس کے جواب دیتے۔

پس آپ نے جوتا پہنا اور روانہ ہوگئے۔ اور چلتے ہوئے یہ آیت تلاوت فرما رہے تھے۔ ''والکاظمین الغیظ والعافین عن الناس واللہ یحب المحسنین'' اور وہ لوگ جو غصہ کو پی جاتے ہیں۔ لوگوں کو معاف کرتے ہیں اور خدا نیکی کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

راوی کہتا ہے کہ ہم آپ کے اس آیت کو تلاوت کرنے سے سمجھ گئے کہ آپ اسے برا بھلا نہیں کہیں گے۔ پس جب آپ اس شخص کے دروازہ پر پہنچے۔ تو آواز دے کر کہا کہ اسے کہو کہ علی ابن الحسین علیہ السلام آئے ہیں۔ جب اس شخص نے سنا کہ حضرت آئے ہیں تو وہ پھر بھی برے سلوک کے لئے تیار ہوا۔ کیونکہ اسے کوئی شک نہیں تھا کہ وہ جو کچھ کر کے آیا ہے۔ حضرت اس کا بدلہ لینے کے لئے آئے ہوں گے۔ اسے کیا معلوم تھا کہ کس کریم ابن کریم سے واسطہ پڑا ہے جب حضرت امام زین العابدین علیہ السلام کی نگاہ اس شخص پر پڑی۔ تو فرمایا اے بھائی! تو میرے پاس آیا تھا۔ اور تو نے یہ باتیں مجھے کہیں۔ پس وہ بری باتیں جو تو نے کہی ہیں۔ اگر مجھ میں پائی جاتی ہیں۔ تو میں اپنے خالق و مالک سے بخشش کی دعا مانگتا ہوں اور اگر وہ باتیں جو تو نے کہی ہیں۔ مجھ میں نہیں تو خدا تجھے معاف فرمائے راوی کہتا ہے کہ جب اس شخص نے سنا۔ تو آپ کے قدموں پر گر پڑا۔ پھر آپ کی دونوں آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا۔ اور کہنے لگا کہ جو کچھ میں نے کہا ہے۔ ان برائیوں کا زیادہ سزاوار میں خود ہوں۔ راوی کہتا ہے۔ یہ شخص حسن بن حسن تھا۔

صاحب کشف الغمہ نے نقل کیا ہے کہ ایک دن آپ مسجد سے نکلے۔ تو ایک شخص سے آپ کی ملاقات ہوگئی۔ اس نے بہت نامناسب باتیں آپ سے کیں۔ آپ کے غلاموں نے چاہا۔ کہ اس کو ماریں پیٹیں۔ آپ نے فرمایا اس کو اس کے حال پر چھوڑ دو۔ پھر آپ نے اس کی طرف رخ انور کیا اور فرمایا ''ماستر عنک من امرنا اکثر'' یعنی جو ہمارے افعال تجھ سے پوشیدہ ہیں وہ اس سے کہیں زیادہ ہیں جو تو جانتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ پھر فرمایا کیا تجھے کوئی حاجت و ضرورت لاحق ہے۔ کہ جس میں ہم تیری مدد کریں۔ تو وہ شخص شرمندہ ہوا اور آپ نے سیاہ عبا پہن رکھی تھی۔ وہ اس کی طرف پھینک دی اور حکم دیا کہ اسے ایک ہزار درہم دیا جائے۔ اس واقعہ کے بعد جب بھی وہ شخص آپ کو دیکھتا تو کہتا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ رسول خدا کی اولاد میں سے ہیں۔

حالات کی تمام تر تلخیوں اور مصیبتوں کے باوجود ہمارے چوتھے امام حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے اپنے اس ناصحانہ انداز کو اپنائے رکھا۔ کوفہ و شام کے بازار ہوں یا دربار یزید ہو اس صابر امام نے اپنی تبلیغ کے ذریعہ لوگوں کو حقائق سے آگاہ کیا۔ یزید اور یزیدیت کا چہرہ بے نقاب کر کے حسین و حسینیت کا علم بلند کیا۔

خداوند کریم ہمارے علماء کرام، مقررین عظام کو بھی اسی انداز نصیحت کو اپنانے کی توفیق عطا فرمائیے۔ تا کہ وہ لوگ جو بے راہرو ہو چکے ہیں اپنی خواہشات نفسانی کے غلام بن چکے ہیں۔ حق کو چھوڑ کر باطل کی راہ پر چل نکلے ہیں۔ وہ واپس راہ حق پر آجائیں۔ خداوند کریم کا ارشاد ہے۔ ''ادعو سبیل ربک بالحکمۃ و الموعظۃ الحسنہ'' کہ لوگوں کو اپنے رب کے راستہ کی طرف حکمت اور موعظۂ حسنہ کے ساتھ بلاؤ۔ تا کہ حق کے علمبرداروں میں اضافہ و ازدیاد ہو۔ محبان آل محمد کی کثرت ہو۔

عزاداران امام حسین علیہ السلام اور پیروان حضرت امام زمانہ کی تعداد میں اضافہ ہو۔

یہ ہمارا مشاہدہ بھی ہے۔ اور تجربہ بھی کہ جب احسن انداز سے گفتگو کی جائے۔ جو مدلل ہو اور طنز وغیرہ سے پاک ہو۔ مخلصانہ طریقہ پر ہو تو سننے والے کے دل و دماغ پر اس کا اثر ہوتا ہے۔ اور وہ راہ حق پر آ جاتا ہے۔

اس سال راقم الحروف نے عشرہ محرم الحرام مبارک پور ضلع بہاولپور میں پڑھا۔ سادات کرام کی کثرت اور وہ بھی صحیح العقیدہ اور باکردار دیکھ کر حیرانگی بھی ہوئی۔ لیکن ساتھ خوشی بھی ہوئی۔ خداوندکریم ان کو محمد و آل محمد کا صدقہ سید برات حسین نقوی کی زیر قیادت یکجا اور متحد رکھے۔ تاکہ تعلیمات محمد و آل محمد علیہم السلام کا چراغ جلتا رہے۔ مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین کے پروگرام بھی اصلاحی اور دل آویز تھے۔ خداوند کریم اُن کو اور ہمت اور حوصلہ دے۔ بہر حال اپنے تئیں امام زین العابدین علیہ السلام کی سنت اور پیروی میں کوشش کی کہ لوگوں کی اصلاح ہو سکے۔ فرامین خداوند کریم اور ارشادات ائمہ طاہرین کی روشنی میں مدلل انداز سے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ الحمد للہ خداوند کریم نے محمد و آل محمد علیہم السلام کے صدقہ میں اتنی کامیابی ضرور عطا فرمائی کہ ماتمی حضرات خصوصاً نوجوانان طبقہ اصلاح کی طرف زیادہ گامزن ہوا۔ خصوصاً نماز کی طرف متوجہ ہوئے۔ کئی نوجوانوں نے داڑھی رکھ لی نمازی بن گئے۔ اور ساتھ ساتھ اہلسنت طبقہ کی بھی اچھی تعداد شرکت کرتی رہی۔ اور پھر اُن میں سے ایک نوجوان مذہب حق پر آ گیا اور اب تک رابطہ میں بھی ہے۔ خداوند کریم اس نوجوان کو آل محمد کا صدقہ صحیح العقیدہ شیعہ خیر البریہ بنائے۔ اور قائم رکھے۔ انشاءاللہ یہ سب کچھ خداوند کریم کی مہربانی اور محمد و آل محمد علیہم السلام کی خصوصی شفقت کا نتیجہ ہے۔

آخر میں دعا ہے کہ پروردگار عالم بطفیل چہاردہ معصومین علیہم السلام ہماری قوم کے نوجوان طبقہ کو (خصوصاً) اپنے ائمہ اہلبیت کا سچا پیروکار بنائے۔ تاکہ مذہب حقہ دن دوگنی اور رات چوگنی ترقی کرے۔ آمین بجاہ النبی و آلہ الطاہرین۔

بقیہ صفحہ نمبر ۲۶

(و یحک ان یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراھیمؑ کان نبیاً ابن نبی لہ اثنی عشر ابنا فغیب اللہ واحداً منھم فشاب رأسہ من الحزن واحد و دب ظھرہ من الغم و ذھب بصرہ من البکاء و انہ حی فی دارالدنیا و انا رأیت ابی و اخی وسبعۃ عشر من اھل بیتی صرعیٰ مقتولین فکیف ینقضی حزنی و یقل بکائی)

افسوس ہے تجھ پر، یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیم نبی اور نبی زادہ تھے۔ خدا نے ان کو بارہ فرزند عطا فرمائے تھے اور صرف ایک کو (کچھ عرصہ کے لئے ان کی آنکھوں سے) پوشیدہ کر دیا تھا، اس کے نتیجہ میں بوجہ حزن سر سفید بسبب غم کمر خمیدہ اور بوجہ گریہ بصارت ختم ہوگئی تھی حالانکہ ان کا فرزند دنیا میں زندہ موجود تھا مگر میں نے تو اپنی آنکھوں سے اپنے باپ، بھائی اور اپنے خانوادہ کے دوسرے سترہ شہیدوں کو مقتول حالت میں زمین پر پڑا ہوا دیکھا ہے، اس لئے میرا حزن و ملال کیونکر ختم ہوسکتا ہے؟ اور میرا گریہ و بکاء کس طرح کم ہوسکتا ہے؟

﴿انا للہ و انا الیہ راجعون و سیعلم الذین ظلموا ای منقلب ینقلبون﴾

باب المتفرقات

تعلیم و تربیت کے لیے قرآنی ہدایات

از: استاد محسن قرائتی، بشکریہ رسالہ البینات

یہاں ہم تعلیم و تربیت کے ذمے دار حضرات کے لیے ایسے اصول بیان کر رہے ہیں جو تعلیم و تربیت کے صاف و شفاف سرچشمے یعنی قرآنِ کریم سے ماخوذ ہیں، تا کہ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ اصول کسی انسان کے بنائے ہوئے اور اس کے منکشف کیے ہوئے نہیں ہیں۔

۱۔ آیت انک لا تھدی من احببت (سورہ قصص ۲۸۔ آیت ۵۶) سے مفہوم لیتے ہیں کہ لوگوں کے لیے ہدایت کی توفیق خدا کی جانب سے ہوتی ہے۔

اسی طرح آیہ کریمہ: لو انفقت ما فی الارض جمیعاً ما الفت بین قلوبھم (سورۂ انفال ۸۔ آیت ۶۳) سے ہم یہ مفہوم اخذ کرتے ہیں کہ: بہترین صلاحیتوں کے حامل انسان (رسولِ خداؐ) کے پاس اگر تمام تر مادی وسائل موجود ہوتے، تو اسکے باوجود بھی جب تک ارادۂ خداوندی نہ ہوتا وہ بے سود رہتے لہٰذا انسانی صلاحیتیں اور وسائل و ذرائع لازم تو ہیں لیکن انہیں کافی نہیں قرار دیا جاسکتا۔ ہمیں خدا سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ ہمیں ہدایت کا وسیلہ قرار دے۔

۲۔ آیت: اھدنا الصراط المستقیم۔ (سورہ حمد ۱۔ آیت ۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے تمام ذمے دار حضرات اپنے ہر منصوبے اور لائحہ عمل میں خدا کی ہدایت کے محتاج ہیں۔

۳۔ وہ آیات جن میں خداوندمتعال فرماتا ہے: و من اظلم ممن افتری (سورۂ انعام ۶۔ آیت ۲۱، سورۂ انعام ۶۔ آیت ۹۳، سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۱۸، سورۂ عنکبوت ۲۹۔ آیت ۶۸، سورہ صف ۶۱۔ آیت ۷) ان سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے مسائل میں انحراف انتہائی بڑے مظالم میں سے ہے۔

۴۔ آیت: اللہ اعلم حیث یجعل رسلتہ (سورہ انعام ۶ آیت ۱۲۴) سے یہ ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کی ذمے داری سپرد کرتے وقت لوگوں کی لیاقت اور قابلیت پر توجہ مرکوز رہنی چاہیے۔

۵۔ آیت اقرا باسم ربک الذی خلق (سورہ علق ۹۶۔ آیت ۱) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ تعلیم و تربیت خدا کے نام سے اور خدا کے لیے ہونی چاہیئے۔

۶۔ آیت فاستقم کما امرت (سورۂ ہود ۱۱۔ آیت ۱۱۲) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ہمیں تعلیم و تربیت کے کام کے دوران ثابت قدمی کا ثبوت دینا چاہیے اور دوسرے مقاصد کے لیے اسے چھوڑ نہیں دینا چاہیے۔ اگر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض بزرگوں نے

ہمیں اس بات کی وصیت کی ہے کہ ہم اپنے مدرسے یا کتب خانے میں دفن ہو جائیں، تو اس طرح دراصل وہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ ہم اپنی تمام عمر مدرسے یا کتابخانے کی نذر کردیں۔

۷۔ آیت لم تقولون ما لا تفعلون (سورۂ سف ۶۱۔ آیت ۲) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے ذمے دار افراد جو بات کہتے اور جو بات لکھتے ہیں انہیں اس پر خود بھی عمل پیرا ہونا چاہیئے، وگرنہ بے عمل عالم، بے ثمر درخت کی مانند ہو جاتا ہے۔

۸۔ آیت رب اشرح لی صدری۔ (سورۂ طہٰ ۲۰۔ آیت ۲۵) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے کام کے لیے عظیم حوصلے کی ضرورت ہوتی ہے، کیونکہ نبوت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خداوند عالم سے سب سے پہلے فراخ دلی ہی طلب کی تھی۔

۹۔ آیت: و لو کنت فضا غلیظ القلب لا نفضوا من حولک۔ (سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۵۹) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: جو لوگ تعلیم وتربیت کا کام کرتے ہیں، انہیں نرم دل اور اعلیٰ اخلاق کا مالک ہونا چاہیے۔

۱۰۔ آیت و ما انا من المتکلفین (سورہ ص ۳۸۔ آیت ۸۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے ذمے دار افراد کو بے آزار اور بے توقع افراد ہونا چاہیئے۔

۱۱۔ آیت: و اخفض جناحک لمن اتبعک من المؤمنین (سورہ شعراء ۲۶۔ آیت ۲۱۵) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے ذمے دار افراد کو اپنے ماتحت افراد کے ساتھ انکساری سے پیش آنا چاہیئے۔

۱۲۔ آیت و قل رب زدنی علما (سورہ طہٰ ۲۰۔ آیت ۱۱۴) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے ذمے دار افراد کو مسلسل اپنے علم میں اضافے کی فکر کرنی چاہیے اور کبھی بھی خود کو فارغ التحصیل نہیں سمجھنا چاہیئے۔

۱۳: آیت انا انزلنہ فی لیلۃ القدر (سورۂ قدر ۹۷۔ آیت ۱) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے کام کے لیے مناسب وقت کا انتخاب ایک اہم ترین چیز ہے۔ نزول قران شب قدر میں ہوا، جو قرآن کے بقول لیلۃ المبارکہ (ایک مبارک رات) اور خیر من الف شھر (ہزار رتوں سے بہتر) ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی جادوگروں کے ساتھ اپنے مناظرے کے دن کو روز عید "یوم الزینۃ" قرار دیا، تا کہ لوگ خوش بھی ہو اور بیدار بھی۔

۱۴۔ آیت و ثیابک فطھر (سورہ مدثر ۷۴۔ آیت ۴) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے ذمے دار افراد کو ضروری پاکیزگی اور آراستگی کا مالک ہونا چاہیئے۔

۱۵۔ آیت و انک لعلیٰ خلق عظیم (سورہ قلم ۶۸۔ آیت ۴) اور آیت: لکم فی رسول اللہ اسوۃ حسنۃ۔ (سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۲۱) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ایسا فرد جو لوگوں کی ہدایت ورہنمائی کا خواستگار ہے، اُسے اخلاقی کمالات کا مالک ہونا چاہیے، تا کہ دوسروں کے لیے اسوۂ عمل (Role Model) بن سکے۔

۱۶۔ آیت لقد یسرنا القران للذکر۔ (سورۂ قمر ۵۴ آیت ۲۲، ۱۷، ۳۲، ۴۰) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے مضامین کو آسان اور رواں انداز سے پیش کرنا چاہیے، تا کہ عوام

انہیں سمجھ سکیں: بیان للناس (سورہ آل عمران ۳ آیت ۱۳۸) اور خواص انہیں پسند کریں: قولا سدیدا۔ (سورہ نساء ۴ آیت ۹)

۱۷۔ آیت لست علیھم بمصیطر (سورہ غاشیہ ۸۸۔ آیت ۲۲) اور آیت: لا اکرہ فی الدین (سورہ بقرہ ۲ آیت ۲۵۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: لوگوں کی فکر کو تبدیل کرنا اور انہیں اپنی تربیت پر آمادہ کرنا، اُن کی آزادی، شعوری انتخاب اور ان کے خود اپنے تمایل کے ساتھ ہونا چاہیے زور زبردستی کے ساتھ نہیں۔ یہ فرعون تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پیروکاروں سے کہتا تھا کہ کیوں تم میری اجازت کے بغیر ان پر ایمان لائے: امنتم به قبل ان اٰذان لکم۔ (سورہ اعراف ۷۔ آیت ۱۲۳)

۱۸۔ آیت: محبة منی (سورہ طہٰ ۲۰۔ آیت ۳۹) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: حقیقی محبوبیت خدا کی جانب سے ہوتی ہے، جاہ وحشم، زیب وزینت، لباس، عمارت، گاڑی اور ماڈرن وسائل کے ذریعے نہیں۔

۱۹۔ آیت: اُدعُ الی سبیل ربک بالحکمة و الموعظه الحسنة و جادلهم بالتی هی احسن۔ (سورہ نحل ۱۶۔ آیت ۱۲۵) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت اور دعوت وتبلیغ کے کام کا طریقہ منطق واستدلال، وعظ ونصیحت اور بعض مواقع پر اچھے انداز سے مناظرہ ہے۔

۲۰۔ آیت فقد لبثت فیکم عمرًا (سورہ یونس ۱۰۔ آیت ۱۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم وتربیت کے ذمے دار فرد کا سابقہ اچھا ریکارڈ، اُس کی کارگزاری میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۲۱۔ آیت: وتالله لا کیدن اصنامکم (سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۵۷) اور آیت: فجعلهم جذذًا۔ (سورہ انبیاء ۲۱۔ آیت ۵۸) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: فکری قائدین اور تعلیم وتربیت کے ذمے دار حضرات کو بخصوص ثابت قدمی اور قاطعیت کا مالک ہونا چاہیے۔

۲۲۔ آیت ان الله و ملئکة یصلون علی النبی (سورۃ احزاب ۳۳ آیت ۵۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: جب بھی ہم کسی تعلیمی وتربیتی پروگرام کا اجرا کرنا چاہیں، تو اس پر سب سے پہلے خود ہمیں عمل کرنا چاہیے۔

۲۳۔ آیت: لا تمدن عینیک الی ما متعنا به ازواجاً منهم۔ (سورہ حجر ۱۵۔ آیت ۸۸) سے ہمیں پتا چلا ہے کہ: معاشرے کے فکری اور اخلاقی قائدین کو دوسروں کے مال و دولت پر نظر نہیں رکھنی چاہیے۔

۲۴۔ آیت قل ان ادری۔ (سورہ جن ۷۲ آیت ۲۵) سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ: جن مواقع پر ہمیں کسی چیز کا علم نہ ہو، اُن مواقع پر ہمیں انتہائی شجاعت اور صراحت کے ساتھ واضح کردینا چاہیے کہ ہمیں یہ بات معلوم نہیں۔

۲۵۔ آیت: قل لا اسئلکم علیه اجراً (سورہ انعام ۶ آیت ۹۰) سے ہمیں پتا چلتا ہے کہ: اپنی بات دلوں میں بٹھانے کی ایک شرط یہ ہے کہ لوگوں سے کوئی مالی توقع نہ رکھیں (اگر وہ مدد کردیں تو ''الحمدللہ'' اور اگر نہ کریں تو ''اللہ اکبر'')۔ اگر انسان کا مقصد مال میں اضافہ ہو، تو وہ دوسروں کے ساتھ اپنی آمدنی کا تقابل کر کے پشیمانی اور ناگواری کا شکار ہوتا ہے اور اپنا پیشہ بدلنے کا خواہاں ہوجاتا ہے۔

۲۶۔ آیت: ھوَ افصح منی (سورہ قصص ۲۸ آیت ۳۴) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: جب کبھی ہم اس جانب متوجہ ہوں کوئی

دوسرا ہم سے زیادہ کامیاب ہے، تو اس کا ذکر کریں اور دوسروں کی برتری کے اقرار سے خوفزدہ نہ ہوں۔

۲۷۔ آیت اذھبنآ الی فرعون۔ (سورہ طہٰ ۲۰ آیت ۴۳) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: بعض مواقع پر ہمیں تنہا ہی قدم نہیں اٹھا دینا چاہیے، بلکہ پہلے ہم فکر اور ساتھی پیدا کریں، اسکے بعد قدم اٹھائیں۔

۲۸۔ آیت: و اذ اخذ اللہ میثاق النبیین لما اتیتکم من کتب و حکمۃ (سورہ آل عمران ۳ آیت ۸۱) جو یہ کہتی ہے کہ خدا نے انبیا سے میثاق اور وعدہ لیا ہے کہ آج میں نے تمہیں کتاب اور حکمت دی ہے، لیکن اگر بعد میں کوئی پیغمبر آئے تو تم اس پر ایمان لانا اور اس کی مدد کرنا سے استفادہ ہوتا ہے کہ: تعلیم و تربیت کے ذمے دار افراد کو دوسروں سے استفادے اور انہیں قبول کرنے کی روح کا مالک ہونا چاہیئے، اگرچہ ممکن ہے عملاً ایسا کبھی بھی پیش نہ آئے۔ خداوند عالم نے یہ شدید میثاق لیا اور حتیٰ یہ پوچھا کہ کیا تم اقرار کرتے ہو؟ "ءَ اقررتم" انہوں نے کہا: ہاں "قالوآ اقررنا"۔

۲۹۔ آیت: و لم یجعل لہ عوجا (سورہ کہف ۱۸۔ آیت ۱) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے ذمے دار افراد میں کسی صورت کجی اور انحراف نہیں ہونا چاہیے۔

۳۰۔ آیت لآ اعبدُ ما تعبدون۔ (سورۂ کافرون ۱۰۹۔ آیت ۲) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ساز باز کی پیشکش کے مقابل ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنا چاہیئے۔

۳۱۔ آیت: و صل علیھم (سورۂ توبہ ۹۔ آیت ۱۰۳) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے کام کے دوران، اسے قبولیت کی اہلیت رکھنے والے افراد کو اطمینان اور امید دلانا چاہیئے۔

۳۲۔ آیت و ان احد من المشرکین استجارک (سورہ توبہ ۹۔ آیت ۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: مخالفین کو تحقیق اور مطالعے کا موقع دینا چاہیے۔ نیز مہلت کے علاوہ ان کی سیکورٹی کا بھی بندوبست کرنا چاہیے۔

۳۳۔ آیت: حریص علیکم (سورہ توبہ ۹۔ آیت ۱۲۸) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: اخلاص اور جوش و خروش تعلیم و تربیت کے ذمے دار افراد کے کام کا لازمہ ہے۔

۳۴۔ آیت: و مآ انا بطارِدِ الذین امنوا۔ (سورہ ہود ۱۱۔ آیت ۲۹) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے کام کے دوران توقعات رکھنے والے اور دولتمند افراد کو مائل کرنے کی خاطر فقیر اور محروم افراد کو اپنے آپ سے دور نہیں کر دینا چاہیے۔

۳۵۔ ولا تمن تستکثر (سورہ مدثر ۷۴۔ آیت ۶) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے ذمے دار افراد کو چاہیے کہ وہ احسان جتانے اور زیادہ طلبی سے دور رہیں۔

۳۶۔ آیت: قل ھاتو برھانکم۔ (سورہ بقرہ ۲ آیت ۱۱۱) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ہمیں اپنے مخاطب افراد کے ساتھ منطقی اور استدلالی گفتگو کرنی چاہیے۔

۳۷۔ آیت فسیروا فی الارض۔ (سورۂ آل عمران ۳۔ آیت ۱۳۷) سے استفادہ ہوتا ہے کہ ہمیں تاریخ کے تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

۳۸۔ آیت: و ان من امۃ الا خلا فیھا نذیر (سورہ فاطر ۳۵۔ آیت ۲۴) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے

کام کی تاریخ، انسانی زندگی کی تاریخ کے ساتھ ساتھ ہے۔

۳۹۔ آیت: **و من احسن قولاً ممن دعآ الی الله** (سورۂ فصلت ۴۰۔ آیت ۳۳) سے پتا چلتا ہے کہ: راہِ خدا کی طرف دعوت بہترین عمل ہے۔

۴۰۔ آیت: **و من احیاھا فکانمآ احیا الناس جمیعاً** (سورہ مائدہ ۵۔ آیت ۳۲) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ایک شخص کی تعلیم و تربیت کے کام کی قدر و قیمت ایک پورے معاشرے کو حیات دینے کی قیمت کے برابر ہے۔

۴۱۔ آیت: **الیہ یصعد الکلم الطیب** (سورہ فاطر ۳۵۔ آیت ۱۰) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: اگر ہمارا کلام پاک اور دل نشین ہو تو ضائع نہیں جاتا، بلکہ ہمیشہ باقی رہتا ہے۔

۴۲۔ آیت **کتب انزلنه الیک لتخرج الناس من الظلمت الی النور** (سورۂ ابراہیم ۱۴۔ آیت ۱) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے کام کا نتیجہ یہ ہے کہ انسان تاریکیوں سے نور کی جانب نجات پاتے ہیں۔

۴۳۔ آیت: **الذین یبلغون رسلت الله و یخشونه ولا یخشون احداً الا الله۔** (سورہ احزاب ۳۳۔ آیت ۳۹) سے استفادہ ہوتا ہے کہ جو لوگ تعلیم و تربیت کے کام میں قدم رکھنا چاہتے ہیں اُن کے لیے شجاعت اور بے باکی لازمی شرط ہے۔

۴۴۔ آیت: **الئن خفف الله عنکم و علم ان فیکم ضعفاً** (سورۂ انفال ۸۔ آیت ۶۶) سے استفادہ ہوتا ہے کہ: ہمیں لوگوں کی باطنی کیفیت کو پیش نظر رکھنا چاہیے اور اُن کی طاقت اور فہم و عقل سے اوپر کا کوئی حکم انہیں نہیں دینا چاہیے۔

۴۵۔ آیت **ھذا ربی فلمآ افل قال لا اُحب الافلین۔** (سورۂ انعام ۶۔ آیت ۷۶) نے استفادہ ہوتا ہے کہ بعض مواقع پر لوگوں کی بات مان کر اُن کے ساتھ ہو جانا چاہیے تاکہ آپ کی بات قبول کرنے کے لیے حالات سازگار ہو جائیں اور پھر اسکے بعد اپنے موقف کا واضح اعلان کرنا چاہیے۔

۴۶۔ آیت: **و لتستبین سبیل المجرمین** (سورۂ انعام ۶۔ آیت ۵۵) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ہمیں لوگوں کے سامنے کج اندیش افراد کی راہ کی وضاحت کرنی چاہیے۔

۴۷۔ آیت: **انذر عشیرتک الاقربین** (سورہ ۷ شعراء ۲۶۔ آیت ۲۱۴) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: ہمیں تعلیم و تربیت کا کام اپنے قریبی افراد سے شروع کرنا چاہیے۔

۴۸۔ آیت **و جنکھا لکی لا یکون علی المؤمنین حرج فی ازواج ادعیآئھم۔** (سورۂ احزاب ۳۳ آیت ۳۷) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: تعلیم و تربیت کے ذمے دار افراد کی ایک ذمے داری یہ ہے کہ وہ خرافات کی بیخ کنی کریں۔

۴۹۔ آیت: **و ان ھم الا یظنون** (سورۂ بقرہ ۲۔ آیت ۷۸) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ ہمارے فکر و عمل کی بنیاد ظن و گمان پر نہیں ہونی چاہیے۔

۵۰۔ آیت: **اتعلمون ان صلحاً مُرسل۔** (سورۂ اعراف ۷۔ آیت ۷۵) سے ہم یہ مفہوم لیتے ہیں کہ: مخالفین شک و شبہ پیدا کر کے لوگوں کے درمیان وسوسہ پھیلاتے ہیں۔

☆☆☆☆

باب المتفرقات

رہائی اہلبیتؑ اور اسکے علل و اسباب

از قلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

یزید عنید کا، شہادت حسینؑ کا حکم دینا اور پھر اس پر رضا مند اور مسرور و شادکام ہونا، مخدرات عصمت و طہارت کو دیار و امصار میں تشہیر کرانا، سر مقدس اور خانوادہ عصمت کے ساتھ پہلے سخت توہین آمیز سلوک کرنا جوش مسرت اور ظاہری فتح و نصرت اور نشہ اقتدار سے چور چور ہو کر کفریہ اشعار پڑھنا تاریخ اسلام کے وہ مسلم الثبوت واقعات ہیں۔ جن کا نہ تو کسی سے انکار ممکن ہے اور نہ ہی کسی یزید نواز فرد یا گروہ کے پردہ ڈالنے سے ان پر پردہ ڈالا جاسکتا ہے۔ برادران اسلامی کے فاضل گرامی علامہ سعد الدین تفتازانی نے بالکل صحیح لکھا ہے کہ ''الحق ان رضا یزید بقتل الحسین رضی اللہ عنہ و استبشارہ بذلک و اھانۃ اھل بیت النبی علیہ السلام مما تواتر معناہ و ان کان تفاصیلھا احاداً فنحن لا نتوقف فی شانہ بل فی ایمانہ لعنۃ اللہ علیہ و علی انصارہ و اعوانہ'' حق یہ ہے کہ یزید کا قتل حسینؑ پر راضی اور خوش و خرم ہونا۔ اور اس کا اہلبیت رسول کی اہانت کرنا اس پر تواتر معنوی موجود ہے۔ اگرچہ ان واقعات کی تفاصیل بطریق احاد مروی ہیں۔ بنابریں ہم اس کے بے ایمان ہونے میں ذرہ بھر توقف نہیں کرتے۔ خدا اس پر اور اس کے اعوان و انصار پر لعنت کرے۔

شہادت حسینؑ کے بعد خاندان رسول کی اس طرح تذلیل و توہین سے یزید کا بظاہر جو مقصد تھا کہ وہ اس طرح اس خانوادہ کے اثر و رسوخ کو ختم کر کے اہل عالم پر اپنی دھاک بٹھا سکے گا۔ اور اس کا اقتدار مضبوط سے مضبوط تر ہو جائے گا۔ حالات نے بہت جلد یزید پر اس کے خیال کے غلط ہونے کو واضح و آشکار کر دیا۔ کربلا کی شیر دل خاتون نے اپنے غیر فانی خطبوں کے ذریعہ سے یزید کے ظلم و ستم کو طشت از بام کر کے اس کے ایوان اقتدار کے ستونوں کو صرف ہلا یا ہی نہیں بلکہ بالکل کھوکھلا کر دیا۔ چنانچہ ہر چہار طرف حتیٰ کہ خود اپنے افراد خانہ کی طرف سے بھی اس کی لعنت ملامت ہونے لگی۔ ملک میں انقلاب کے آثار نمودار ہونے لگے۔ خانہ جنگی کا شدید خطرہ پیدا ہو گیا۔ یزید کو ان بدلتے ہوئے حالات کی سنگینی کا پورا پورا احساس ہو گیا تھا۔ اس لئے ان حالات میں اس نے اپنی اور اپنی سلطنت کی حفاظت و بقا اس امر میں دیکھی کہ شہادت حسینؑ کی ذمہ داری ابن زیاد پر ڈال کر اس سے اپنی برات و بیزاری کا اظہار کرے اور اسیران آل رسول کی جلد رہائی کے احکام جاری کرے۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

مذکورہ بالا تاریخی مسلم الثبوت حقائق کی تائید علامہ جلال الدین سیوطی اور مورخ شہیر ابن اثیر جزری کے حقیقت وافروز بیانات سے بھی ہوتی ہے جو اکثر و بیشتر خود یزید کے بیانات سے ماخوذ ہیں۔ اول الذکر لکھتے ہیں ’’ولما قتل الحسینؑ و بنو ابیہ بعث ابن زیاد برؤوسھم الی یزید فسر بقتلھم اولاً ثم ندم لما مقتة المسلمون علی ذلک و ابغضہ الناس و حق لھم ان یبغضوہ‘‘ جب امام حسینؑ اور ان کے بھائی (اور دیگر اعزا و انصار) شہید ہو گئے اور ابن زیاد نے ان کے سر یزید کے پاس بھیج دیے تو وہ پہلے تو ان کے قتل سے بہت خوش ہوا۔ پھر جب لوگوں نے اس کے فعل شنیع کی وجہ سے اسے برا سمجھنا شروع کیا اور ان کو اس کا حق بھی تھا کہ اسے برا سمجھیں تب اس نے ندامت کا اظہار کیا۔

اور ثانی الذکر رقمطراز ہیں: ’’لما وصل رأس الحسین الی یزید حسنت حال ابن زیاد عندہ و زادہ و وصلہ و سرہٗ ما فعل ثم لم یلبث الا یسیراً حتی بلغہ بغض الناس و لعنھم و سبھم فندم علی قتل الحسین فکان یقول و ما علی لوا حتمکث الا ذی و انزلت الحسین معی فی داری و حکمة فیما یریدوان کان علی فی ذلک و ھن فی سلطانی حفظا الرسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم و رعایة نحقہ و قرابتہ لعن اللہ ابن مرجانة فانہ اضطرہ و قد سئلہ ان یضع یدہ فی یدی او یلحق بثغر حتی یتوفاہ اللہ فلم یجبہ الی ذلک فقتلہ فبغضنی بقتلہ الی المسلمین و زرع فی قلوبھم العداوة فابغضنی الی البر و الفاجر لما استعضموہ من قتل الحسین ما لی و لابن مرجانة لعنة اللہ و قتلہ‘‘ یعنی جب امام حسینؑ کا سر مبارک یزید کے پاس پہنچا تو اس کی نظر میں ابن زیاد کی وقعت اور بڑھ گئی۔ اور جو کچھ اس نے کیا تھا اس نے یزید کو مسرور و شاد کام کیا، چنانچہ اس نے اس کو انعام و اکرام سے بھی نوازا۔ لیکن ابھی بہت ہی تھوڑا وقت گذرا تھا کہ یزید کو یہ اطلاعیں ملنے لگیں کہ لوگ اس کو برا سمجھنے لگے ہیں۔ اور یہ کہ انہوں نے اس کو لعن وطعن اور سب و شتم کرنا شروع کر دیا ہے۔ اس لئے اب اس نے شہادت حسینؑ پر اپنی ندامت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: میرا کیا نقصان ہوتا اگر میں اذیت برداشت کر لیتا اور حسینؑ کو یہاں اپنے پاس اپنے گھر میں رکھ لیتا۔ اور وہ جو کچھ چاہتے ان کو کرنے دیتا۔ اگرچہ اس سے میرے اقتدار میں کمزوری پیدا ہو جاتی۔ لیکن حق رسول اور ان کی قرابتداری کی حفاظت و رعایت تو ہو جاتی۔ خدا لعنت کرے ابن مرجانہ پر جس نے ان کو مجبور کر کے قتل کر دیا حالانکہ حسینؑ نے اس سے کہا تھا کہ مجھ سے آ کر صلح کی گفتگو کر لیں۔ یا کسی سرحد کی طرف نکل جائیں۔ مگر اس نے ان کی بات نہ مانی اس طرح ان کو قتل کر کے مجھے مسلمانوں کی نگاہوں میں مبغوض بنا دیا۔ اور میرے خلاف دلوں میں دشمنی کی بیج بو کر مجھے ہر نیک و بد کی نظر میں برا بنا دیا۔ مجھ سے ابن مرجانہ کو کیا کد تھی۔؟ خدا اس پر لعنت کرے اور اسے قتل کرے۔

بعض آثار سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ یزید نے عامة المسلمین کی آنکھوں میں دھول ڈالنے اور آل رسول کی اشک شوئی کرنے کے لئے کچھ لوگوں سے پوچھ گچھ بھی کی۔ مگر ان میں سے

بعض نے اصل حقیقت کو بالکل بے نقاب کر کے الٹا اسے دربار عام میں ذلیل ورسوا کردیا۔

چنانچہ بعض کتب میں وارد ہے کہ یزید نے بعض قائدین لشکر مثل شبث بن ربعی، شمر بن ذی الجوشن، سنان بن انس نخعی، مصائب بن وہیبہ اور خولی بن یزید اصحی وغیرہ کو دربار میں بلالیا۔ پہلے شبث کو خطاب کر کے کہا کیا تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے؟ اور کیا میں نے تمہیں ان کو قتل کرنے کا حکم دیا تھا؟ شبث نے کہا: میں نے ان کو قتل نہیں کیا۔ خدا ان کے قاتل پر لعنت کرے! یزید نے کہا پھر کس نے ان کو قتل کیا ہے؟ شبث نے کہا: مصائب بن وہیبہ نے یزید نے روئے سخن مصائب کی طرف کرتے ہوئے اس سے یہی سوال کیا مصائب نے بھی شبث کی طرح جواب دے کر تیسرے آدمی پر ڈال دیا۔ اسی طرح یکے بعد دیگرے یزید ان لوگوں سے دریافت کرتا رہا اور جواب میں اپنی برات ظاہر کر کے دوسرے پر ٹالتے رہے۔ بالآخر نوبت قیس بن ربیع تک جا پہنچی۔ سب نے بالاتفاق اسے قاتل قرار دیا۔ یزید نے اس سے وہی سوال کیا۔ قیس نے نفی میں جواب دیا۔ یزید نے قدرے برہم ہوکر کہا وائے ہو تم پر! آخر کس نے انہیں قتل کیا؟ قیس نے کہا اگر مجھے امان دی جائے تو میں بتاتا ہوں کہ حسینؑ کا اصل قاتل کون ہے؟ یزید نے امان دی قیس نے کہا: حسینؑ کو قتل نہیں کیا مگر اس شخص نے جس نے علم جنگ بلند کیا اور لشکر پر لشکر روانہ کیا! یزید نے کہا وہ شخص کون ہے؟ قیس نے برجستہ جواب دیا وہ تو ہے اے یزید! تو نے حسینؑ کو قتل کیا ہے۔ یزید یہ تلخ مگر مبنی بر حقیقت جواب سن کر یہ کہتے ہوئے کہ **مالی ولقتل الحسین** محل سرا میں چلا گیا۔

بقیہ صفحہ نمبر ۲۴

آئے ہیں کہ بنا پر تسلیم ارسال قاصد پندرہ محرم تک سدھا ہوئے کبوتر یا تیز گام قاصد کے ذریعہ سے یزید کا پیغام ابن زیاد کے پاس پہنچ گیا تھا اور اسی روز اس نے اس لٹے ہوئے قافلہ کو شام کی طرف روانہ کردیا تھا اور یکم صفر کو قریباً پندرہ یوم میں یہ قافلہ شام پہنچا۔ پھر زندان وغیرہ میں سات روز قیام کرنے کے بعد آٹھویں دن یعنی آٹھویں ؟ صفر کو واپس روانہ ہوا۔ اس طرح قریباً بارہ یوم میں یہ قافلہ بآسانی کربلا پہنچ سکتا ہے۔ اور ان حقائق کی رشنی میں مذکورہ بالا استبعادات کا کوئی محل اور وزن باقی نہیں رہ جاتا اور نہ ہی ان کی بنا پر ایک مشہور واقعہ کا صحت کا انکار کیا جا سکتا ہے۔ صاحب تظلم الزہراء نے ص ۲۸۷ پر ایسے ہی استبعادات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "بعد تسلیمہ محض استبعاد و لاینبغی بمثلہ انکار الروایات" بعد ازاں ثابت کیا ہے کہ کوفہ شام تک تیز رو قاصد تین یوم میں پہنچ سکتا ہے۔ خصوصاً جبکہ کسی غیر معمولی واقعہ کی اطلاع دینا ہو۔ جیسے شہادت امام مظلوم کی خبر مشوم فراجع۔

باقی رہا یہ خیال کہ اگر یہ واقعہ صحیح ہوتا تو اکابر علماء مثل شیخ صدوق وشیخ مفید وامثالہم رضوان اللہ علیہم اس واقعہ کا ذکر کرتے۔ اس کا جواب واضح ہے کہ ان بزرگواروں کا بوجہ اختصار اس واقعہ کا ذکر نہ کرنا اس واقعہ کے عدم وقوع کی دلیل نہیں بن سکتا جب کہ یہ واقعہ دوسری کتب معتبرہ میں موجود ہے۔ بوجہ اختصار جب انہوں نے دیگر منازل وحالات سفر کو قلم بند نہیں کیا تو اگر اس واقعہ کو نظر انداز کردیا ہے تو اس میں کون سی تعجب کی بات ہے آخر یہ اس سفر کی ایک منزل ہی تو ہے۔

باب المتفرقات

اسیران آل محمدؐ کا رہائی کے بعد کربلا میں ورود

ازقلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

راویان اخبار کا بیان ہے کہ واپسی پر جب یہ قافلہ اہل بیت سرزمین عراق کی سرحد پر پہنچا جہاں دوراہہ تھا۔ ایک رستہ سیدھا مدینہ کو جاتا تھا۔ اور دوسرا عراق کی طرف سے تو انہوں نے راہبر سے فرمایا کہ ہمیں کربلا (عراق) کے راستہ سے لے چلو چنانچہ حسب الحکم عراقی راستہ اختیار کیا گیا۔ جب کربلا میں ورود ہوا اور مقتل گاہ کے قریب پہنچے تو دیکھا کہ اسی وقت جناب جابر بن عبداللہ انصاریؓ اور کچھ ہاشمی ؟؟ قبر حسینؑ کی زیارت کے لئے مدینہ سے کربلا پہنچے ہیں۔ جناب ابن طاؤسؒ نے لکھا ہے:

(فوافد فی وقت واحدو تلاقوا بالبکاء والحزن واللطم و اقامو الماتم المقرحة للاکباد و اجتماع الیهم نساء ذلک السواد فاقاموا علی ذلک ایاماً)

یعنی دونوں قافلے ایک ہی وقت میں بروز اربعین یعنی (بیستم ۲۰ صفر کو) وارد کربلا ہوئے۔ انتہائی حزن و ملال اور گریہ و بکا کے ساتھ باہمی ملاقات ہوئی۔ جگرخراش انداز میں مراسم عزاداری بجا لائے۔ اور اس علاقہ کی عورتیں بھی آکر شریک ماتم وغم ہوگئیں۔ کئی روز (بروایت ریاض الاحزان، ص ۱۵۷، تین یوم) تک یہ سلسلہ قائم رہا۔ جناب جابرؓ کی کیفیت زیارت مفصل طور پر بشارة المصطفیٰ (ص ۸۹ پر) طبع النجف وغیرہ کتب میں بروایت عطیہ عوفی مرقوم ہے۔

تبصرہ:

مخفی نہ رہے کہ رہائی کے بعد واپسی پر اس قافلہ کا کربلا پہنچنا ایک معرکۃ الآرا مسئلہ ہے اور اختلاف کی آماجگاہ ہے۔ بعض حضرات نے تو محض اس استبعاد کی وجہ سے کہ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ شہادت امام کے بعد ابن زیاد کا قاصد شام جائے۔ پھر وہاں سے حکم یزید لائے۔ بعدازاں اسیران اہل بیت کو شام بھیجا جائے اور وہاں کچھ عرصہ ان کو زندان میں رکھا جائے۔ اور پھر رہائی کے بعد وہی قافلہ بروز اربعین بیستم صفر کو کربلا میں بھی پہنچ جائے۔ یعنی صرف چالیس روز کی قلیل مدت میں یہ سب کچھ ہوجائے۔ سرے سے اس واقعہ کا انکار کردیا ہے اور بعض نے یہ نظریہ قائم کیا کہ کوفہ سے شام جاتے وقت کربلا میں ورود ہوا تھا۔ اور بعض نے یہ بے پر کی اڑائی کہ کربلا میں یہ ورود اور جناب جابر سے ملاقات ایک سال کے بعد دوسری اربعین ۶۲ ہجری کو ہوئی الغرض

ہر کس بقدر فہمش فہمید مدعا را

ہم اسی کتاب کے اسی باب کی ابتداء میں جو تحقیق پیش کر

بقیہ صفحہ نمبر ۳۲ پر ملاحظہ فرمائیں

باب المتفرقات

قافلۂ اہل بیتؑ روضۂ رسولؐ پر

ازقلم آیۃ اللہ علامہ محمد حسین نجفی موسس و پرنسپل سلطان المدارس

راویان اخبار کا بیان ہے کہ جب یہ قافلہ مدینہ میں داخل ہوا تو پہلے پہل سیدھا مسجد نبویؐ اور روضۂ رسول کے پاس پہنچا۔ فلک کج رفتار اور دیدۂ دہر غدار نے لاکھوں جگر سوز اور جانگداز سانحے دیکھے ہوں گے مگر اس نے علیؑ و بتولؑ کی لاڈلیوں اور رسولؐ اسلام کی نواسیوں اور حسینؑ مظلوم کی بیٹیوں کی واقعہ کربلا کے بعد قید و بند کی صعوبتیں اور طویل سفروں کی دل ہلا دینے والی مشکلیں جھیلنے کے بعد روضہ رسولؐ پر پہنچنے جیسا دردناک منظر کبھی نہ دیکھا ہوگا، جبکہ ام المصائب زینب کبریٰ نے مسجد نبویؐ کے دروازہ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بلند آواز سے روتے ہوئے کہا: ''یا جداہ! انی ناعیۃ الیک اخی الحسینؑ'' اے جد نامدار! میں آپ کے پاس اپنے بھائی حسینؑ کی خبر شہادت لائی ہوں۔ اس وقت بی بی عالم کی یہ حالت تھی کہ نہ تو آنکھوں سے آنسو تھمتے تھے اور نہ گریہ و بکاء اور نوحہ و بین کرنے میں افاقہ ہوتا تھا۔ اس حال میں جب بھی شریکۃ الحسینؑ کی نظر امام زین العابدینؑ پر پڑتی تھی تو ان کے حزن و ملال میں اور اضافہ ہو جاتا تھا۔ بعض کتب میں وارد ہے کہ اس کے بعد جناب ام کلثوم با چشم گریاں و دل بریاں قبر رسولؐ کی طرف بڑھیں اور عرض کیا۔ (السلام علیک یا جداہ! انی ناعیۃ الیک ولدک الحسینؑ) اے نانا! آپ پر درود و سلام ہو، میں آپ کے فرزند حسینؑ کی خبر شہادت سنانے آئی ہوں۔

بعض کتب میں لکھا ہے کہ اس وقت جناب سکینہ بنت الحسینؑ نے بآواز بلند کہا: ''یا جداہ! الیک المشتکی مما جریٰ علینا فو اللہ ما رأیت اقسیٰ من یزید و لا رأیت کافراً و لا مشرکاً شراً منہ و لا اجفا و اغلظ فلقد کان یقرع ثغرابی بمخصرتہ و ھو یقول کیف رأیت الضرب یا حسینؑ'' اے جد بزرگوار! جو کچھ ہم پر مصائب و آلام گزرے ہیں تیری بارگاہ میں ان کی شکایت کرتی ہوں۔ خدا کی قسم! میں نے یزید سے بڑھ کر کوئی قسی القلب اور کوئی کافر و مشرک اور شریر نہ دیکھا اور نہ ہی اس سے زیادہ کوئی درشت خو اور جفا کار دیکھا ہے۔ وہ اپنی چھڑی میرے بابا کے دندان پر مارتا بھی تھا اور ساتھ یہ بھی کہتا تھا۔ اے حسینؑ! اس ضرب کو کیسا پاتے ہو

لا اضحک اللہ سن الدھر ان ضحکت
یوماً و آل رسولؐ اللہ قد قھروا

انا للہ و انا الیہ راجعون

بعض کتب مقاتل میں لکھا ہے کہ امام زین العابدینؑ نے اپنا چہرہ مبارک قبر رسولؐ پر رکھ کر روتے ہوئے کہا:

انا جیک یا جداہ یا خیر مرسل
حبیبک مقتول و نسلک ضائع

انا جیک محزوناً علیلاً موجلاً
اسیراً و مالی حامی و مدافع
سبینا کما تسبی الا ماء و مسنا
من الضر ما لا تحتمله الا ضالع
ایا جدیا جداه بعدک اظھرت
امیة فینا مکرھا و الشنائع

اس وقت لوگوں کی حالت یہ تھی کہ ابر بہاری کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے اور ہر طرف سے واجداہ! واعلیاہ! واحسناہ! وا حسیناہ! کی آواز بلند تھیں۔ بقول صاحب ناسخ التواریخ پندرہ روز تک اسی طرح گریہ و بکاء اور نوحہ و عزا کا سلسلہ جاری رہا۔ اور مخدرات عصمت و زنان بنی ہاشم کی یہ کیفیت تھی کہ لباس غم پہن کر دن رات سید الشہداءؑ پر گریہ و بکا کرتی رہتی تھیں اور امام زین العابدینؑ ان کے لئے طعام پکوا کر بھیجتے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ

''ما اختضبت ھاشمیہ ولا ادھنت ولا اجیل مرود فی عین ھاشمیة خمس حجج حتی بعث المختار براس عبید الله ابن زیاد''

جب تک مختار نے عبید اللہ بن زیاد کا سر نہیں بھیجا اس وقت تک پورے پانچ سال زنان بنی ہاشم میں سے کسی عورت نے نہ خضاب لگایا اور نہ تیل اور نہ کسی نے آنکھ میں سرمہ لگایا تھا۔ امام زین العابدینؑ کے گریہ و بکاء اور حزن و ملال کی کیفیت کیا تھی؟ امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی سن لیجئے۔ فرمایا:

''ان زین العابدینؑ بکی علی ابیه اربعین سنة صائماً نھاره و قائماً لیلة فاذا احضر الافطار و جاء غلامه بطعامه و شرابه فیضعه بین یدیه فیقول قتل ابن رسول الله جائعاً قتل ابن رسول اللہ عطشاناً فلا یزال یکرر ذالک و یبکی حتی یبتل طعامه من دموعه و یمزج شرابه بدموعه فلم یزل کذالک حتی لحق بالله عزوجل''

زین العابدین علیہ السلام اپنے بابا (کے مصائب) پر چالیس برس روئے۔ کیفیت یہ تھی کہ دن کو روزہ رکھتے، رات بھر عبادت خدا کرتے۔ جب افطاری کا وقت ہوتا اور غلام روٹی پانی لا کر سامنے حاضر کرتا اور عرض کرتا، میرے آقا! کھانا تناول فرمایئے۔ تو آپ فرماتے، فرزند رسول کو بھوکا شہید کیا گیا۔ ان کلمات کا بار بار تکرار فرماتے اور ساتھ ہی اس قدر روتے کہ آنسوؤں سے کھانا تر ہو جاتا اور آنسو پانی میں مل جاتے۔ آپ کی یہی حالت رہی یہاں تک کہ بارگاہ الٰہی میں تشریف لے گئے۔

جناب امام زین العابدینؑ کا غلام روایت کرتا ہے کہ ایک بار آپ صحرا کی طرف نکل گئے۔ میں بھی آپ کے پیچھے پیچھے چلا گیا۔ دیکھا کہ آپ ایک درشت پتھر کے اوپر سجدہ ریز ہیں اور بلند آواز سے گریہ و بکاء فرما رہے ہیں اور یہ تسبیح بھی پڑھ رہے ہیں۔ میں نے آپ کو اس کا ایک ہزار بار تکرار کرتے ہوئے سنا: (لا اله الا الله حقاً حقاً لا اله الا الله تعبداً و رقاً لا اله الا الله ایماناً و تصدیقاً و صدقاً) اس کے بعد آپ نے سر بلند کیا، میں نے دیکھا کہ آپ کا چہرہ انور اور ریش مبارک آنسوؤں سے تر بتر تھے۔ میں نے عرض کیا (یا سیدی اما ان لحزنک ان ینقضی و لبکائک ان یقل؟) میرے آقا! کیا کبھی آپ کا حزن و ملال ختم نہ ہوگا؟ اور گریہ و بکاء کم نہ ہوگا؟ میرا یہ سوال سن کر امام نے فرمایا:

بقیہ صفحہ نمبر ۱۵ پر ملاحظہ فرمائیں

باب المتفرقات

علم مام حسن علیہ السلام

از علامہ رضی جعفر نقوی

پروردگار عالم نے جس طرح اپنے نمائندوں کو دیگر صفات و کمالات انسانی میں منفرد اور ممتاز قرار دیا ہے، اسی طرح ''علم'' کے اعتبار سے بھی انہیں پوری کائنات میں سب سے افضل و اعلیٰ قرار دیا۔

اور علم تو انسانی زندگی کا وطرۂ امتیاز ہے کہ خالق دو جہاں نے جب انسانِ اول کو پیدا کیا تو ان کے سر پر جو تاج رکھا، وہ علم ہی کا تاج تھا، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

و علم آدم الاسماء کلھا

(اور خداوند عالم نے آدمؑ کو تمام اسماء کا علم عطا فرمادیا)

(سورہ مبارکہ البقرہ آیت ۳۱)

اور خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ کے لئے تو جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بارگاہ معبود میں دعا فرمائی تو ان کی خصوصیت علم عطا کرنا قرار دیا، جیسا کہ ارشاد قدرت ہے:

''ربنا وابعث فیھم رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتک و یعلمھم الکتب و الحکمۃ''

(اے پالنے والے ان لوگوں کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسول مبعوث کرنا جو تیری آیتوں کو ان کے سامنے تلاوت کریں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیں''

اور سورہ مبارکہ جمعہ میں ہر ہفتے ہر مسلمان کو حضور اکرمؐ کی یہ خصوصیت یاددلائی جاتی ہے کہ:

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلو علیھم آیاتہ و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمہ و ان کانوا من قبل لفی ضلال مبین

(وہی ہے جس نے امی لوگوں کے درمیان، ان میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے آیات (الٰہی) کی تلاوت کرتے ہیں انہیں پاک و پاکیزہ بناتے ہیں، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں، اگرچہ یہ لوگ اس سے پہلے کھلی ہوئی گمراہی میں تھے) (سورہ الجمعہ آیت ۲)

اور مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی ابن ابی طالب کا مشہور فرمان ہے کہ

رضینا قسمۃ الجبار فینا
لنا علماً وللاعداء مال
فان المال یفنیٰ عن قریب
و ان العلم باقٍ لا یزال

ہم خداوند عالم کی اس تقسیم پر بہت خوش ہیں کہ اس نے ہمیں علم عطا کیا ہے، اور دشمنوں کے لئے مال کیونکہ مال تو عنقریب فنا

ہو جائے گا۔

جبکہ علم باقی رہنے والی (وہ دولت ہے جس کے لئے کبھی) زوال نہیں ہے۔

خداوندِ عالم نے امیر المومنین حضرت علیؑ بن ابی طالبؑ اور اُن کی اولاد، طاہرین، حضراتِ ائمہ معصومین علیہم السلام کو علم و کمال میں جو برتری عطا کی ہے، تاریخ کے ہر دور میں دنیا بھر کے مفسرین، محدثین، مورخین، محققین، متکلمین، فقہاء، ادباء اور صاحبانِ علم و دانش نے اس کا مسلسل اعتراف کیا ہے۔

اور یہ تاریخ کی جیتی جاگتی حقیقت ہے کہ منصب حکومت نہ ہونے کے باوجود ہر دور کے فقہاو محدثین، مفسرین و مورخین، اور علم وادب کے شائقین جس دروازے پر جبہہ سائی کرتے نظر آئے وہ حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کے دروازہ پر جبہہ سائی کرتے نظر آئے وہ حضرت علیؑ اور اولادِ علیؑ کا دروازہ ہے۔

گویا، مالک دو جہاں نے جو اعلان فرمایا تھا کہ:

یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین اوتوا العلم درجات

(خداوند عالم تم میں سے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے ہیں، اور جنہیں علم دیا گیا ہے، اُنہیں درجات (کی) بلندی عطا کرے گا۔

(سورہ مبارکہ الحجرات۔ آیت ۱۱)

تاریخ انسانی کا ہر دور اس فرمان الٰہی کی تصدیق کرتا رہا۔ اور اہلبیت طاہرین علیہم السلام کے منصب کا انکار کرنے والے بھی، اُن کے علم و کمال کا اقرار کرتے رہے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام، جو سرور کائنات کے سب سے بڑے نواسے اور مولائے کائنات کے فرزند اکبر ہونے کے ساتھ ساتھ منصب امامت کے تاجدار بھی ہیں، مالک دو جہاں نے انہیں علم و کمال کے اُس مرتبے پر فائز کیا تھا، جس کا اظہار آپ کی کمسنی کے زمانہ سے ہی اس طرح ہونے لگا کہ کسی کے لئے انکار ممکن نہ ہو۔

جس کی تصدیق اس روایت سے ہوتی ہے جسے ابویعقوب یوسف بن الجراح نے نقل کیا ہے۔۔۔ حذیفہ الیمان کا بیان ہے کہ:

ایک روز ہم لوگ، پہاڑی کے دامن میں حضور اکرمؐ کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اس وقت مہاجرین و انصار میں بہت سے لوگ بھی وہاں موجود تھے کہ دور سے حضرت حسن مجتبیٰ نظر آئے، جو نہایت سکون و وقار کے ساتھ چلتے ہوئے اسی طرف آرہے تھے جہاں حضور تشریف فرما تھے۔

آنحضرتؐ کی نگاہ اپنے نواسے پر پڑی تو فرمایا کہ:

''اور یہ وہ نور نظر ہے جس کی جبرئیل امین رہنمائی کر رہے ہیں اور میکائیل ان کی تسدید کر رہے ہیں، یہ میری اولاد ہے، میرا عضو بدن ہے، میرے نفس کا پاک حصہ ہے، میرا نواسہ ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک بھی۔

پھر جب حضرت حسن مجتبیٰ وہاں پہنچے تو حضور اکرمؐ نواسے کے استقبال کے لئے کھڑے ہوگئے اور ہم سب لوگ بھی کھڑے ہوگئے۔

حضور اکرمؐ نے نواسے کو مخاطب کر کے فرمایا:

''انت تفاحتی و انت حبیبی و مهجة قلبی''

(تم میرے میوۂ دل ہو، تم میرے پیارے ہو، تم میری روح وجان ہو)

پھر آنحضرتؐ نواسے کو اپنے ساتھ لے کر آئے اور اپنی جگہ بیٹھ گئے، ہم لوگ بھی حضور اکرمؐ کے ارد گرد بیٹھ گئے۔

ہم نے مشاہدہ کیا کہ حضور اکرمؐ مسلسل اپنے نواسے کو دیکھ رہے تھے پھر فرمایا:

(میرے بعد علیؑ، اور ان کے بعد میرا یہ نواسہ، لوگوں کا ہادی بنے گا یہ خود ہدایت یافتہ ہے، اور میرے لئے پروردگار عالم کی طرف سے ایک تحفہ ہے، وہ میری طرف سے لوگوں کو (حقائق کی) خبر دے گا، انہیں میرے آثار کی معرفت کرائے گا، میری سیرت کو زندہ رکھے گا اور میرے معاملات کو انجام دے گا خداوند عالم اس پر رحمت فرمائے گا۔

خدا ہر اس شخص پر رحم کرے جو (میرے نواسے کے) اس (فضل وشرف) کو پہچانے، میری خاطر ان کے ساتھ نیکی کرے اور ان کی تعظیم وتکریم کرے۔

ابھی حضور اکرمؐ کی گفتگو جاری ہی تھی کہ ایک اعرابی ادھر آتا ہوا نظر آیا جو گویا لہراتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا، جب حضرت رسولخدا کی نگاہ اس شخص پر پڑی تو آپ فرمایا کہ:

"تم لوگوں کی طرف ایک ایسا شخص آرہا ہے جو تم سے اس قدر سخت گفتگو کرے گا کہ (تمہارے جسم میں کپکپی پیدا ہو جائے گی) تمہاری کھال (تک) لرزنے لگے گی، وہ بہت سی باتوں کے بارے میں سوال کرے گا، اور اس کا لہجہ بہت سخت (اور اکھڑا ہوا) ہوگا۔

اتنے میں وہ اعرابی پہونچ گیا، لیکن اس نے کسی کو سلام نہیں کیا۔ بس یہ پوچھا کہ

"تم میں سے محمدؐ کون ہیں؟

ہم لوگوں نے کہا کہ: "تمہارا ارادہ کیا ہے؟

لیکن کوئی اقدام کرنے سے ہم لوگوں کو، حضور اکرمؐ نے روک دیا۔ اس شخص نے حضور اکرمؐ کو مخاطب کر کے کہا:

"اے محمدؐ! میں نے جب آپ کو دیکھا بھی نہیں تھا، اس وقت سے آپ کا دشمن ہوں، اور اب تو میری عداوت اور بڑھ چکی ہے۔

یہ سن کر حضور اکرمؐ تو مسکرانے لگے لیکن اس شخص کی گستاخی اور بدتمیزی پر ہم لوگ کو سخت غصہ آیا، اور ہم نے اس کو بھرپور جواب دینے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ حضور اکرمؐ نے اشارہ کر کے ہمیں خاموش رہنے کا حکم دیا۔

اعرابی نے کہا: اے محمدؐ! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ پیغمبر ہیں (لیکن میرے خیال میں) آپ انبیاء کے خلاف بات کرتے ہیں اور آپ کے پاس کوئی دلیل وبرہان بھی نہیں ہے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا: "اے اعرابی، تجھے کیا معلوم! (کہ میرے پاس دلیل وبرہان نہیں ہے)

اس نے کہا کہ: اگر کوئی برہان ہے تو پیش کیجئے۔

حضور اکرمؐ نے فرمایا کہ: اگر تم چاہو تو میرے اعضاء میں سے ایک عضو (اور میرے جگر کا ٹکڑا) تمہیں (میری دلیل وبرہان سے) روشناس کرادے گا، جو زیادہ واضح بات ہوگی۔

وہ کہنے لگا کہ: کیا اعضا بھی گفتگو کرتے ہیں؟

حضور اکرمؐ نے فرمایا: ہاں

پھر امام حسنؑ سے فرمایا کہ (بیٹے) اٹھو اور اسے جواب دو۔

اعرابی نے کمسن شہزادے کو دیکھا، اور بڑبڑانے لگا۔ ''خود آگے بڑھنے کی بجائے۔ ایک بچے کو آگے بڑھا رہے ہیں کہ مجھ سے بات کرے۔

حضور اکرمؐ نے اُس اعرابی سے کہا کہ (تم بات تو کرو) تمہیں معلوم ہو جائے کہ اس کو وہ سب کچھ معلوم ہے جس کا تم ارادہ کرتے ہو۔

چنانچہ حضرت امام حسن مجتبیٰ نے اس اعرابی کو مخاطب کر کے اپنی گفتگو کا آغاز، ان اشعار سے فرمایا:

ما غبینا سئلت و ابن غبی

بل فقیها اذن و انت جهول

فان تک قد جهلت فان عندی

شفاء الجهل ما سال السوال

و بحرٍ لا تقسمه الدوالی

تراثا كان اورثه الرسول

(اے شخص! تو نے کسی کم فہم شخص یا اُس کی اولاد سے دریافت نہیں کیا ہے، بلکہ صاحب علم و فراست سے گفتگو کر رہا ہے۔ جب کہ تو خود جاہل و نادان ہے۔

لیکن اگر تیرے پاس جہالت ہے تو میرے پاس اس کی بھی دوا ہے، جو چاہے دریافت کرے۔

کیونکہ یہ (علوم الٰہی کا وہ) سمندر ہے جس سے جتنا بھی پانی تقسیم کیا جائے (کبھی ختم نہیں ہوگا) اور یہ وہ میراث ہے، جو رسولِ خدا کے ذریعہ سے ہم تک منتقل ہوئی ہے۔

''اے شخص! تو نے (بہت) زبان درازی کی ہے راہ اعتدال سے تجاوز کیا ہے، اور خود اپنے آپ کو دھوکہ دیا ہے۔

خیر اب اگر خدا نے چاہا تو، تو یہاں سے ایمان لانے کے بعد ہی جائے گا۔ یہ سن کر وہ اعرابی مسکرایا اور (تمسخر کے انداز میں بولا) ہنھ!!

پھر امام حسنؑ نے اُسے اُس کے حالات سناتے ہوئے فرمایا کہ: (یہاں آنے سے قبل) تم (اپنے ساتھیوں سمیت) اپنی قوم کے اجتماع کی جگہ پر اکٹھا ہوئے اور تم لوگوں نے اپنی جہالت و نادانی کے ساتھ ایک دوسرے سے (خوب) باتیں کیں، تم لوگوں کا خیال ہے کہ حضرت محمدؐ کی نسل منقطع ہو جائے گی، پوری عرب قوم ان کی مخالفت اور (اگر اُن کو قتل کر دیا گیا تو) ان کے خون کا کوئی بھی شخص انتقام نہیں لے سکے گا۔ اس لئے تم اس خیال سے (وہاں سے روانہ ہو گئے کہ) آنحضرت کو قتل کر کے اپنی قوم کے لوگوں سے فائدہ حاصل کرو، پھر اپنے آپ کو اس (مجرمانہ اقدام) کے لئے آمادہ کر کے (تم اپنے گھر سے نکل پڑے) تم نے اپنے ہاتھ میں نیزہ سنبھال رکھا ہے۔ اور ارادہ یہ ہے کہ انہیں قتل کر دو!!

راستہ تمہارے لئے بہت دشوار تھا، تمہاری آنکھوں پر اندھا پن چھایا ہوا تھا اور تم نے اس بات کا تہیہ کر رکھا تھا۔ اور تم (چھپتے چھپاتے) آئے ہو، تمہیں ڈر تھا کہ بات کہیں مشہور نہ ہو جائے لیکن (یقین رکھو، ایسا کچھ بھی نہیں کر سکو گے)

اب میں تمہارے سفر کی داستان تمہیں سناتا ہوں (تا کہ تمہیں پتہ چل جائے کہ ہم تمہاری کسی بات سے بے خبر نہیں ہیں)

تم رات کو ایسے وقت نکلے ہو جب تیز آندھی آئی ہوئی تھی۔

جس کی وجہ سے ہر طرف تاریکی چھائی ہوئی تھی، آسمان پر اندھیرا تھا بادل موسلا دھار برس رہا تھا، اور تم سخت تردد میں تھے کہ (آگے بڑھو یا رک جاؤ) آگے بڑھتے ہو تو خطرہ ہے، پیچھے ہٹتے ہو تو بربادی ہے!! اس وقت (آندھی اور جھکڑ کی وجہ سے) تمہیں کوئی آواز بھی سنائی نہیں دے رہی تھی، بادلوں کا ہجوم تھا، ستارے چھپتے ہوئے تھے نہ تمہیں راستہ سمجھ میں آ رہا تھا، نہ کوئی نشان نمایاں ہو رہا تھا، کبھی تم ایک راستہ طے کرتے، کبھی کسی نشیب میں اُتر جاتے جہاں طویل بیابان ہوتا۔۔۔ سفر نے تمہیں پریشان کر رکھا تھا۔ اگر کسی بلندی پر چڑھتے تو یوں محسوس ہوتا کہ منزل سے اور بھی دور ہو گئے ہو۔

ہوا کی تیزی تمہیں ہلا رہی تھی، راستے کے کانٹے چبھ رہے تھے، آندھی چل رہی تھی، بجلی چمک رہی تھی، (راستے کی) جھاڑیاں تمہیں وحشت زدہ کر رہی تھیں۔۔۔ (یہاں تک کہ اسی حالت میں پوری رات گذری، اور جب دن نمودار ہونے پر تم یہاں پہونچے) اور تم نے نگاہیں اٹھا کر اپنے آپ کو یہاں پایا تو گویا تمہاری آنکھوں میں ٹھنڈک پڑی اضطراب دور ہوا، اور پریشانی کا خاتمہ ہوا۔

امام علیہ السلام نے اُس کے سفر کی جب یہ بھرپور تصویر کشی فرمائی تو وہ گویا حیرت وتعجب کے سمندر میں ڈوب گیا اور کہنے لگا:

اے شہزادے، یہ باتیں آپ کو کیسے معلوم ہوئیں، آپ نے تو ان تمام حالات کو اس طرح بیان کیا جیسے آپ نے میرے دل کے اندر جھانک کر دیکھ لیا ہو، اور گویا پورے سفر کے دوران میرا مشاہدہ کرتے رہے ہوں، آپ سے میری کوئی بات بھی تو مخفی نہیں ہے۔

گویا غیب کے آپ ورثہ دار ہیں اور مجھ پر یہ حقیقت بالکل واضح ہے کہ آپ اور آپ کے جد بزرگوار صاحبان حق ہیں۔ مجھے اسلام کے بارے میں بتایئے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے اللہ اکبر کہا۔ پھر اس سے فرمایا کہ:

''خداوند عالم کو یک وتنہا، وحدہ، لاشریک مانو اور یہ کہ حضرت محمد مصطفےٰ خدا کے بندے اور رسول ہیں پھر وہ اعرابی اسلام لایا، اور بہت اچھا مسلمان (ثابت ہوا (کچھ دنوں تک حضور اکرمؐ کی خدمت میں رہا، آنحضرتؐ نے اُسے قرآن مجید کی تعلیم دی (اور دین ومذہب کی بنیادی باتوں سے آگاہ کیا)

پھر اُس نے حضور اکرمؐ سے درخواست کی کہ: میں اپنی قوم کے پاس جا کر ان کو بھی یہ سب باتیں بتاؤں؟

آنحضرتؐ نے اُسے اجازت دی۔ تو وہ اپنی قوم والوں کے پاس گیا، اور بہت سے لوگوں کو اپنے ساتھ لے کر دوبارہ آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جتنے لوگ اس کے ساتھ آئے تھے، سب نے اسلام قبول کیا۔

اس واقعے کے بعد، لوگ جب حضرت امام حسنؑ کو دیکھتے تو بیساختہ کہتے تھے کہ:

(خداوند عالم کی طرف سے) جو فصاحت وبلاغت انہیں عطا کی گئی ہے وہ کسی اور کو نہیں ملی!!

☆☆☆☆☆

باب المتفرقات

میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از: کتاب سیرت النبی آیت اللہ جعفر سبحانی

ستارہ بدرخشید و ماہ مجلس شد
دل رمیدہ ما را انیس و مونس شد

جاہلیت کے تیرہ و تاریک بادلوں نے سارے جزیرہ نما عرب کو گھیر رکھا تھا۔ بُرے اور ناروا کرداروں، خونین جنگوں، لوٹ مار کی وسعت، قتل اولاد، ہر قسم کے اخلاقی فضائل کو درمیان سے دور کردیا۔ عرب کے معاشرہ کو ایک عجیب گڑھے میں ڈال رکھا تھا۔ ان کی زندگی و موت کا فاصلہ حد سے زیادہ کم ہوگیا تھا۔ اس وقت سعادت کی صبح کا ستارہ پھوٹا اور وہ تاریک محیط حضرت رسول اکرمؐ کے میلادِ مسعود سے روشن ہوگیا۔ اس طرح تمدن کے مقدمات اور ایک پسماندہ ملت کی ترقی و سعادت کی بنیاد رکھ دی گئی۔ زیادہ وقت نہ گزرا کہ اس نور کی شعاعوں نے ساری دنیا کو روشن کردیا۔ علم و دانش اور تمدن کی بنیاد کو دنیا کے تمام نقاط میں رکھ دیا گیا۔

بڑی شخصیتوں کا بچپن:

بڑی شخصیتوں کی زندگی کی ہر فصل قابلِ مطالعہ اور غور و فکر کے لائق ہے۔ کبھی ایک فرد کی شخصیت اس قدر بزرگ اور عظیم ہوجاتی ہے کہ اس کی زندگی کے تمام مراحل حتیٰ کہ اس کا بچپن اور شیر خوارگی کا دور بھی اسرار آمیز ہوتا ہے۔ زمانہ کے نابغہ افراد، معاشرہ کے رہبر، کاروانِ تمدن کے پیشرو افراد و شخصیات کی ساری کی ساری زندگی حساس و حیرت انگیز نکات رکھتی ہے اور بڑی جاذب و دلکش ہوتی ہے۔ اول تا آخر ان کی زندگی کا کتابچہ اسرار و رموز سے بھرپور ہوتی ہے۔ ہم دنیا کے عظیم انسانوں کا بچپن کے بارے میں پڑھتے ہیں جو سراسر اعجاب و اعجاز ہے۔ اگر ہم اس قسم کے مطالب کو دنیا کے بزرگوں کے بارے میں قبول کریں تو ان کی مانند پیغمبروں اور اولیاء کے بارے میں قبول کرنا بڑا سہل و آسان ہوگا۔

تورات و قرآن، حضرت موسیٰ کے بچپن کو بہت اسرار آمیز بیان کرتے ہیں اور کہتے ہیں سینکڑوں معصوم بچے اس لئے کہ موسیٰ پیدا نہ ہوں، حکومتِ وقت کے ہاتھوں موت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ ان کے سرکاٹ لئے گئے لیکن چونکہ خدا نے ارادہ کر رکھا تھا کہ حضرت موسیٰ زندگی کے میدان میں قدم رکھیں۔ اس لحاظ سے نہ صرف ان کے دشمن ان کو آسیب تک نہ پہنچا سکے بلکہ ان کا سب سے بڑا دشمن فرعون ان کا مربی و حامی بن گیا۔ قرآن کہتا ہے کہ ہم نے موسیٰ کی ماں کی طرف وحی بھیجی کے اپنے فرزند کو صندوق میں رکھ دے، موجوں کے ہاتھ اس کو ساحلِ نجات تک پہنچادیں۔ میرا اور اس کا دشمن اس کی حمایت

کریگا۔ اسکے لئے گہری محبت میں دشمن کے دل میں ڈالوں گا اور نئے سرے سے تیرے بیٹے کو تجھے لوٹا دونگا۔

موسیٰ کی بہن فرعون کے گھر میں گئی اور کہا میں ایک عورت کا سراغ رکھتی ہوں جو تمہارے اس محبوب بچے کی تربیت کو اپنے ذمہ لے سکے۔ اس طرح حضرت موسیٰ کی ماں حکومتِ وقت کی طرف سے مقرر ہوئیں کہ ان کے محبوب بچہ کی تربیت کریں۔ (طٰہ، آیت ۴۱، ۴۳)

حضرت مسیح کی شکم مادر میں ولادت اور پرورش کا زمانہ حضرت موسیٰ سے بھی حیرت انگیز تھا۔ قرآن مسیح کے زمانہ نشوونما کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

مریم، مسیح کی ماں نے اپنی قوم سے کنارہ کرلیا۔ روح (جبرائیل) بشری صورت میں ظاہر ہوا۔ اس کو خوشخبری دی کہ میں مامور ہوں کہ تجھے پاکیزہ فرزند بخشوں۔ مریم حیران رہ گئیں اور کہا: ''کسی نے میرے ساتھ نزدیکی نہیں کی ہے اور میں بدکار عورت بھی نہیں ہوں'' ہمارے بھیجے ہوئے نے کہا یہ کام خدا کے لئے آسان ہے۔ آخرکار خدا کے حکم سے نور مسیح ماں کے رحم میں قرار پایا۔ دردزہ نے اس کو کھجوروں کے جھنڈ کی طرف کھینچا۔ وہ اپنے وضع حمل پر غمگین تھیں کہ ہم نے حکم دیا کہ خرما کے درخت کو جھٹکا دے تاکہ اس سے کھجوریں گریں۔ اس کے فرزند نے دنیائے ہستی میں قدم رکھا اور مریم اپنے نومولود کو لے کر اپنی قوم کی طرف آئیں۔ تعجب کی وجہ سے لوگوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ اعتراضات کا سیلاب مریم کی طرف رخ کر گیا۔ مریم کو حکم دے دیا گیا تھا کہ وہ لوگوں تک پہنچادے کہ وہ اپنے سوالات اسی بچے سے پوچھیں۔ انہوں نے کہا کہ کیا یہ دودھ پیتا بچہ جو گہوارہ میں آرام کررہا ہے، وہ بات کرسکتا ہے؟ اس وقت حضرت عیسیٰ نے بات کرنے کے لئے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی کہ میں خدا کا بندہ ہوں۔ میں کتاب رکھتا ہوں اور پیغمبروں کے زمرہ میں ہوں (مریم ۱۸، ۳۲)

جب قرآن تورات اور انجیل کے پیروکاران دو اولوالعزم پیغمبروں کی ولادت کے بارے میں مذکورہ بالا مطالب کی گواہی دیتے ہیں، اس صورت میں انہیں چاہیئے کہ وہ ان حیرت انگیز مطالب کے بارے میں تعجب کریں جو پیغمبرِ اسلام کے مولود مسعود کے بارے میں وارد ہوئے ہیں اور ان کو سطحی شمار کریں۔ ہم حدیث و تاریخ کی کتابوں کے صفحات میں اس طرح پڑھتے ہیں:

آنحضرت کی ولادت کے وقت ایوان کسریٰ پھٹ گیا۔ اس کے چند کنگرے گر پڑے اور فارس کے آتش کدہ کی آگ خاموش ہوگئی۔ ساوہ کا دریا خشک ہوگیا۔ مکہ کے بت خانہ کے بت سرنگوں ہوگئے۔ (آنحضرتؐ ختنہ شدہ اور ناف بریدہ دنیا میں آئے) اور کہا: ''اللہ اکبر و الحمد للہ کثیراً سبحان اللہ بکرۃ و اصیلا'' یہ تمام مطالب تاریخ کے اصل مآخذوں اور احادیث کی کتابوں میں موجودہ ہیں۔

حضرت موسیٰ و حضرت عیسیٰ کے بارے میں مطالب جو ہم نے نقل کیے ہیں ان پر نظر کرتے ہوئے کوئی جگہ نہیں ہے کہ اس نوع کے واقعات کے متعلق شک کریں۔

ولادت پیغمبرؐ کے سال، ماہ، روز:

عام سیرت نویس اتفاق رکھتے ہیں کہ آنحضرت کی ولادت

عام الفیل میں اور ۵۷۰ء میں ہوئی کیونکہ آنحضرت قطعی طور پر ۶۳۲ء میں وصال فرما گئے۔ آپؐ کا سن مبارک باسٹھ یا تریسٹھ سال ہوا ہے۔ اس لیئے آپؐ کی ولادت ۵۷۰ء کی حدود میں ہوئی۔

محدثین ومورخین کی اکثریت اس قول پر اتفاق رکھتی ہے کہ حضورؐ کی ولادتِ ماہ ربیع الاول میں ہوئی ہے۔ لیکن آپؐ کے تولد کے دن کے بارے میں اختلاف ہے۔ محدثین شیعہ میں معروف ہے کہ آنحضرتؐ سترہ ربیع الاول (۱۷) بروز جمعہ طلوع فجر کے بعد دنیا میں آئے اور اہل تسنن کے درمیان معروف ہے کہ آنحضرت کی ولادت سوموار کے دن بارہ ربیع الاول کو ہوئی ہے۔ مقریزی نے تمام اقوال کو جمع کیا ہے۔ ان دو اقوال میں سے کونسا صحیح ہے۔

بڑا افسوس کا مقام ہے کہ اسلام کے عالی قدر رہبر کی روز ولادت و وفات اور اکثر مذہبی رہنماؤں کے ایام میلاد و رحلت تحقیقی طور پر مسلمانوں پر روشن نہیں ہیں اور یہ ابہام اس کا سبب بنا ہے کہ ہمارے بہت سے جشن وسوگوری کے ایام تاریخ کی نظر میں قطعی نہ ہوں جبکہ علمائے اسلام نے وقائع اور حوادث کو جو اسلامی صدیوں کے دوران واقع ہوئے ہیں، بخصوص نظم و اہتمام سے ریکارڈ کیا ہے لیکن معلوم نہیں ہے کہ کون سے عوامل کارفرما رہے کہ ان میں سے بہت سوں کے ایام ولادت و وفات کو دقیق طور پر ثبت وضبط نہیں کیا گیا ہے۔

حمل کا زمانہ:

مشہور یہ ہے کہ آنحضرتؐ کا نور ایام تشریق میں آمنہ کے رحم پاک میں قرار پایا (گیارہ، بارہ، تیرہ ماہ حج کو ایام تشریق کہتے ہیں)۔ لیکن یہ مطلب اس کے ساتھ جو عام مورخین میں مشہور ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت ربیع الاول کے مہینہ میں ہوئی ہے، مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ اس صورت میں زمانہ حمل کو تین ماہ یا ایک سال تین ماہ بنتے ہیں اور یہ ممکن نہیں ہے اور نہ ہی کسی نے اس خصائص پیغمبرؐ سے شمار کیا ہے۔

محقق بزرگ مرحوم شہید ثانی (۹۷۱) نے مذکورہ اشکال کو اس طرح حل کیا ہے کہ حضرت اسماعیلؑ کے فرزند اپنے بزرگوں کی پیروی میں مراسم حج کو ذی الحج کے مہینہ میں ادا کرتے تھے۔ لیکن بعد میں بعض وجوہ کی بناء پر وہ اس فکر میں پڑ گئے کہ مراسم حج کو ایک ایک مہینہ میں دو دو سال انجام دیں یعنی دو سال ذی الحجہ میں اور دو سال محرم میں اور اسی ترتیب سے، اس لئے چوبیس سال بعد دوبارہ ایام حج اپنی جگہ پر آجاتے تھے اور عربوں کی رسم اسی طرح جاری تھی۔ یہاں تک کہ ہجرت کے دسویں سال ایام حج ذوالحجہ میں آ گئے تھے۔ پیغمبر اکرمؐ نے ایک خطبہ دے کر ہر قسم کے تغیر وتبدل سے تاکیداً منع فرما دیا اور ذی الحجہ کے مہینہ کو حج کا مہینہ قرار دیا اور یہ آیہ حرام مہینوں کی تاخیر کو روکنے کے بارے میں بالخصوص نازل ہوئی جن کو تاخیر میں ڈالنا جاہلیت کی رسم تھی:

''حرام مہینوں کو بدلنا کفر کی زیادتی کا نشان ہے جو لوگ کافر ہیں وہ اس کے وسیلہ سے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ ایک سال اس کو حلال جانتے ہیں اور دوسرے سال حرام۔ (توبہ، ۳۷)۔

اس حقیقت کو ہوتے ہوئے ایام تشریق میں ماں کے رحم میں قرار پایا۔ سترہ ربیع الاول کو متولد ہوئے۔ یہ دو یا تین ایک

دوسرے کے منافی نہیں ہیں کیونکہ اس صورت میں منافات پیدا کرتی ہیں کہ ایام تشریق سے مراد وہی ذی الحجہ کی گیارہ، بارہ، تیری تاریخیں ہوں لیکن وہی جس طرح وضاحت کی گئی ہے۔ ایام تشریق ہمیشہ ردّ و بدل میں رہے ہیں اور ہم حساب کرنے سے اس مطلب پر پہنچتے ہیں کہ آنحضرتؐ کے حمل وولادت کے سال میں ایام حج جمادی الاول کے مصارف ومطابق ہوئے ہیں اور چونکہ آنحضرتؐ ربیع الاول میں پیدا ہوئے، دریں صورت آمنہ کا حمل کا زمانہ تقریباً دس ماہ رہا ہے (بحار الانوار، ج ۱۵، ص ۲۵۲)

اس بیان پر اعتراض:

وہ نتیجہ جو مرحوم شہید ثانی نے اس نقطۂ نظر سے لیا ہے وہ صحیح نہیں ہے اور اس کے علاوہ جو معنی نسیئی کا بیان کیا ہے، مفسرین میں سے صرف مجاہد نے اس کو اختیار کیا ہے، دوسروں نے اس کی اور طرح تفسیر کی ہے۔ مذکورہ تفسیر اتنی محکم نہیں ہے کیونکہ:

اول: مکہ ہر طرح کے اجتماعات کا مرکز تھا اور چونکہ تمام عربوں کے لئے ایک عومی عبادت گاہ شمار ہوتا تھا، ظاہر ہے کہ ہر دو سال کے بعد حج کا بدلنا طبعی طور پر لوگوں کی غلطی واشتباہ سے دوچار کر دیتا ہے، اس طرح اس عظیم اجتماع اور اجتماعی عبادت کی عظمت درمیان سے چلی جاتی ہے۔ اس لئے یہ بعید ہے کہ قریش اور اہل مکہ راضی ہوں کہ جو چیز ان کے افتخار وعظمت کا سرمایہ ہے، ہر دوسرے سال بدلتا رہے۔ آخر لوگ اس کا وقت ہی گم کر دیں اور وہ اجتماع ختم ہو کر رہ جائے۔

دوم: اس بات کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ سال نہم ہجرت کو ایام ذی القعد کے مصارف ہوں جبکہ اسی سال امیر المومنینؑ نے پیغمبر اکرم کی طرف سے ماموریت پائی کہ وہ سورہ برائت کو ایام حج میں مشرکوں کے لئے پڑھیں۔ مفسرین ومحدثین متفق ہیں کہ آنحضرتؐ نے مذکورہ سورہ کو ذی الحجہ میں پڑھا اور چار مہینے مہلت دی اور اس مہلت کا آغاز دسویں ذی الحجہ جانتے ہیں نہ کہ ذی القعد۔

سوم: نسئی کا معنی یہ ہے کہ جب اعراب زندگی کے لئے صحیح راستہ نہیں رکھتے تھے، اکثر لوٹ مار پر گزارہ کرتے تھے، اس لئے ان کے لئے بہت سخت تھا کہ وہ تین مہینے (ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم) جنگ کو، لوٹ مار کو ترک کر دیں۔ اس لئے کبھی کعبہ کے معتدیوں سے درخواست کرتے تھے کہ وہ اجازت دیں کہ وہ محرم الحرام میں جنگ کریں اور اس کی بجائے سفر میں جنگ متارک ہو اور نسئی کا معنی یہی ہے اور محرم کے علاوہ ہرگز نسئی نہیں ہوا ہے۔ خود آیہ میں بھی یہی مطلب دکھائی دیتا ہے۔

یحلونہ عاماً و یحرمونہ عاماً وہ جنگ کو ایک سال حلال اور ایک سال حرام کرتے تھے۔

ہم تصور کرتے ہیں کہ اس مشکل کے حل کی راہ یہ ہے کہ اعراب دو موقع پر حج کرتے تھے، ایک ذی الحجہ میں اور دوسرا ماہ رجب میں اور تمام اعمالِ حج کو انہی دو موقعوں پر انجام دیتے تھے۔ اس صورت میں ممکن ہے کہ اس سے مراد یہ ہو کہ آمنہ حج کے مہینہ میں ایام تشریق میں نور رسولؐ خدا سے حاملہ ہوئیں، وہی ماہ رجب ہو۔ اگر ہم آنحضرتؐ کی ولادت ۱۷ ربیع الاول جانیں تو اس صورت میں مدت حمل آٹھ ماہ اور کچھ دن ہوگی۔

پیغمبرؐ اسلام کا نام رکھنے کی مراسم:

ساتواں دن پہنچ گیا۔ جناب عبدالمطلب نے بارگاہ ربوبیت میں ہدیۂ شکر ادا کرنے کے لئے ایک دنبہ ذبح کیا۔ بعض لوگوں کو دعوت دی اور پر شکوہ جشن میں عام قریش کو دعوت دی گئی تھی۔ اپنے پوتے کا نام "محمدؐ" رکھا جب لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے فرزند کا نام "محمدؐ" کیوں منتخب کیا ہے۔ جب عرب میں پہلے یہ نام نہیں پایا جاتا ہے تو انہوں نے کہا کہ میں نے چاہا کہ آسمان وزمین میں اس کی تعریف کی جائے۔ اس بارے میں حسان بن ثابت شاعر رسولؐ خدا اس طرح کہتا ہے۔

خالق نے اپنے نام سے پیغمبرؐ کے لئے نام مشتق کیا۔ اس لئے خدا محمود (پسندیدہ) ہے اور اس کا پیغمبرؐ (تعریف کیا گیا ہے) دونوں لفظ ایک مادہ سے مشتق ہیں جو ایک معنی پر پہنچاتے ہیں۔

بے شک اس نام کے انتخاب میں الہام غیبی کو دخل ہے کیونکہ نام محمدؐ اگرچہ اعراب میں معروف ہے لیکن شاذ ہی کوئی شخص اس نام سے موسوم ہوتا تھا۔ دقیق اور اعداد وشمار کے مطابق جو مؤرخین نے جمع کئے ہیں کہ اس دن تک صرف سولہ آدمی اس نام سے موسوم کئے گئے ہیں چنانچہ اس بارے میں کہتا ہے:

ان الذین سموا باسم محمد
من قبل خیر الناس ضعف ثمان

یعنی وہ لوگ جو حضرت محمدؐ سے پہلے یہ نام رکھتے تھے، سولہ آدمی تھے۔ (سیرۃ حلبی، ج ا ص ۹۷)

ظاہر ہے کہ جس قدر ایک لفظ کا مصداق کم تر ہو، اس میں اشتباہ بھی کمتر ہوگا۔ جب آسمانی کتابوں نے پیغمبرؐ اسلام کے آنے، نام ونشان، ان کی جسمانی وروحانی نشانیوں کے متعلق خبر دی ہے تو چاہئے کہ آنحضرتؐ کے علائم ونشانیاں اس طرح روشن ہوں کہ ان میں غلطی کا امکان نہ رہے۔ ان نشانات میں سے ایک آنحضرت کا نام ہے۔ چاہئے کہ اس کا مصداق اس قدر کم ہو کہ پیغمبرؐ اسلام کی پہچان ومنزلت کی راہ میں ہر قسم کا شک وشبہ درمیان سے جاتا رہے۔ خاص طور پر جبکہ باقی اوصاف وعلائم نام کا ضمیمہ بن جائیں۔ اس صورت میں واضح طور پر شخص جس کے بارے میں تورات وانجیل میں ظہور کرنے کی خبر دی گئی ہے۔ بخوبی پہچانا جائے گا۔

باب المتفرقات

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی آخری نورانی کرنیں

از: آیت اللہ جعفر سبحانی

اضطراب اور دل کی دھڑکن نے سارے مدینہ پر احاطہ کر رکھا تھا۔ پیغمبرؐ اکرم کے اصحابِ باوفا آنسو برساتی آنکھوں، غم و اندوہ سے بھرے ہوئے دلوں کے ساتھ کاشانۂ رسالتؐ کے گردا گرد پروانوں کی مانند جمع تھے۔ تاکہ پیغمبرؐ کی بیماری کے انجام سے آگاہ ہوں۔ جو خبریں گھر کے اندر سے باہر آرہی تھیں۔ وہ آنحضرتؐ کی نازک حالت کی خبر دیتی تھیں۔ ہر قسم کی صحت و بہبودی کی امیدوں کو قطع کرتے تھیں ان سے پتا چلتا تھا کہ شمع رسالت کی زندگی کی آخری کرنیں عالمِ ہستی میں چمک رہی ہیں اور اپنے ڈوبنے کی خبر دے رہی ہیں۔

آنحضرتؐ کے اصحاب کا ایک گروہ اس کے لئے بے تاب تھا کہ وہ قریب جا کر اپنے عالی قدر رہبر کی زیارت کریں۔ لیکن پیغمبرؐ اکرم کی نازک حالت اس کی اجازت نہیں دیتی تھی کہ جس حجرہ میں آپؐ بستر بیماری پر پڑے تھے، ان کے اہلبیتؑ کے سوا کوئی اور آمد ورفت کر سکے۔

پیغمبر اکرمؐ کی اکلوتی صاحبزادی فاطمہؑ باپ کے بستر میں بیٹھی ہوئی تھی اور آپؐ کے نورانی چہرہ پر نظریں گاڑے ہوئے تھیں۔ آپؑ دیکھ رہی تھی کہ موت کے پسینہ کے قطرے مروارید کے دانوں کی مانند حضورؐ کے چہرہ مبارک سے ٹپک رہے تھے۔ جناب سیدہ رنجیدہ دل، آنسوؤں سے بھری آنکھوں اور ہچکیوں کے ساتھ ذیل کے شعر کو جو پیغمبر اکرمؐ کی شان میں حضرت ابوطالبؑ نے کہا تھا، پڑھ رہی تھیں:

و ابیض یستسقی انعمام بوجھه
ثمال الیتامی عصمة للہ راحل

''وہ روشن و نورانی چہرہ جس کے احترام میں بادلوں سے بارانِ رحمت کے پڑنے کی درخواست کی جاتی ہے۔ وہ شخصیت جو یتیموں کی پناہ اور بیوہ عورتوں کی نگہبان ہے۔''

اسی دوران پیغمبر اکرمؐ نے اپنی آنکھیں کھولیں۔ آہستہ آواز میں اپنی صاحبزادی سے فرمایا کہ یہ وہ شعر ہے جو جناب ابوطالبؑ نے میرے بارے میں کہا ہے۔ لیکن بہتر ہے کہ اس کی بجائے ذیل کی آیت کی تلاوت کریں۔

''و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسول افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم و من ینقلب علی عقبیه فلن یضر اللہ شیئاً''

''محمدؐ خدا کے پیغمبر ہیں، ان سے پہلے بھی پیغمبر آئے ہیں اور چلے گئے ہیں۔ وہ قتل ہو جائیں یا فوت ہو جائیں تو کیا تم اپنے پہلو کے دین پر لوٹ جاؤ گے؟ جو شخص اپنے گذشتہ لوگوں کے دین کی

طرف لوٹ جائے، وہ خدا کو ضرر نہیں پہنچا سکتا ہے۔ (ارشاد شیخ مفید ص ۹۸)

پیغمبر اکرم کی اپنی صاحبزادی سے باتیں کرتے ہیں:

تجربہ ظاہر کرتا ہے کہ جذبات وعواطف بڑی شخصیات میں افکار کی کثرت اور زیادہ سرگرمیوں کی وجہ سے اپنی اولاد کے بارے میں کم ہو جاتے ہیں کیونکہ عظیم مقاصد اور عالمی افکار ان کو اس قدر اپنی طرف مشغول رکھتے ہیں کہ اولاد کے ساتھ جذبات محبت کا اظہار ان میں ابھر نہیں پاتا، نہ اس کے اظہار کا زیادہ موقع ملتا ہے۔ لیکن معنوی وروحانی شخصیات اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہیں۔ وہ عظیم ترین مقاصد عالمی نظریات اور ہر روز بڑھتے ہوئے مشاغل میں مصروف ہونے کے باوجود اس قدر وسیع روح اور عظیم نفسیات کے حامل ہوتے ہیں کہ ایک پہلو کی طرف ان کے رجحان ان کو دوسری جانب میلان سے باز نہیں رکھتا۔

پیغمبر اکرم کا اپنی اکلوتی صاحبزادی کے ساتھ تعلق خاطر اور محبت بلند ترین انسانی عواطف وجذبات کی ایک تجلی تھا۔ یہاں تک کہ پیغمبرؐ کسی وقت بھی اپنی دختر نیک اختر سے وداع ہوئے بغیر سفر نہیں کرتے تھے اور سفر سے واپسی پر تمام لوگوں سے پہلے حضورؐ اپنی صاحبزادی کو ملنے جاتے تھے۔ اپنی ازواج کے سامنے اپنی صاحبزادی کا احترام کرتے اور اپنے اصحاب کو فرماتے:

''فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے، اس کی خوشی ورضا میری خوشی ورضا ہے۔ اس کا غضب میرا غضب ہے۔'' (صحیح بخاری ج ۵، ص ۲۱)

حضرت سیدہؑ کی ملاقات دنیا کی پاکیزہ اور صالح ترین خاتون حضرت خدیجہؑ کی یاد دلا دیتی تھی جو اپنے شوہر کے مقدس مقصد کی راہ میں عجیب سختیوں کو خندہ پیشانی سے جھیلتی رہی تھیں۔ اپنی بے پناہ دولت وثروت کو اس راہ میں قربان کر دیا تھا۔

جب تک رسولؐ خدا بستر بیماری پر پڑے رہے، حضرت فاطمہؑ زہراؑ آپؐ کے بستر کے پہلو میں بیٹھی رہتی تھیں۔ ایک لمحہ کے لئے بھی آپؐ سے دور نہیں ہوتی تھیں۔ اچانک پیغمبرؐ نے اپنی بیٹی کو اشارہ کیا کہ آپؐ کے ساتھ بات کریں۔ رسولؐ کی صاحبزادی آپؐ کی طرف جھکیں، اپنے سر کو پیغمبرؐ کے نزدیک لائیں۔ آپؐ نے نہایت نرم ودھیمی آواز میں بیٹی کے ساتھ کوئی بات کی۔ جو لوگ حضورؐ کے بستر کے پہلو میں تھے، ان کی گفتگو کی حقیقت سے آگاہ نہ ہو سکے۔ جب پیغمبرؐ اکرم کی بات ختم ہوئی۔ جناب سیدہؑ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب بہنے لگا۔ لیکن اس کے ساتھ حضورؐ نے دوبارہ اپنی بیٹی کو اشارہ فرمایا، وہ پھر اپنے شفیق باپ کی طرف جھکیں، حضورؐ نے پھر آہستہ آہستہ سے ان کے ساتھ کوئی بات کی۔ اس بار حضرت فاطمہؑ نے کھلے ہوئے چہرہ اور تبسم کرتے ہوئے ہونٹوں کے ساتھ سر اٹھایا۔ ان دو متضاد حالتوں کے ایک ہی وقت میں اظہار نے وہاں حاضر تمام افراد کو حیرت میں ڈال دیا۔ انہوں نے پیغمبر اکرم کی صاحبزادی سے درخواست کی کہ وہ حضورؐ کی بات کی حقیقت سے پردہ اٹھا کر انہیں باخبر کر دیں۔ جناب سیدہؑ نے کہا میں رسولؐ اکرم کے راز کو فاش نہیں کرتی۔

رسول اکرمؐ کی رحلت کے بعد حضرت زہراؑ نے حضرت عائشہؓ کے اصرار پر ان کو حقیقت حال سے باخبر کیا، فرمایا: 'میرے باپ نے پہلی بار تو مجھے اپنی موت سے باخبر کیا تھا، فرمایا کہ میں

اس بیماری سے جانبر نہیں ہوں گا۔ اسی وجہ سے اس المناک صدمہ کے خبر سے میں بے چین ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ لیکن دوسری بار مجھے فرمایا کہ بیٹی تو پہلی فرد ہوگی جو میرے اہلبیت سے مجھ سے آکر ملحق ہوگی۔ اس خبر نے مجھے خوشی وسرور دیا اور میں نے جان لیا کہ تھوڑی مدت کے بعد میں اپنے باپ سے جاملوں گی“۔

(طبقات ابن سعد، ج ۲ ص ۲۴۷، کامل، ج ۲ ص ۲۱۹)

رحلت کا دن:

اس عظیم، سفیر الٰہی کی مقدس و پر عظمت روح نے ۲۸ ماہ صفر، سوموار کے دن کو بوقت دوپہر آشیانِ قدس کو پرواز کیا۔ کپڑا آنحضرتؐ کے جسد مطہر پر ڈالا گیا۔ تھوڑے سے وقت کے لئے حجرہ میں رکھا گیا۔ پیغمبرؐ کے اقرباء اور عورتوں کے نالہ وشیون سے لوگوں کو یقین ہوگیا کہ رسول اکرمؐ رحلت فرما گئے ہیں۔ زیادہ وقت نہ گزرا کہ آپؐ کی رحلت کی خبر سارے شہر میں پھیل گئی۔

حضرت عمرؓ نے بعض پر اسرار وجوہات کی بنا پر گھر کے باہر شور مچایا کہ پیغمبرؐ فوت نہیں ہوئے ہیں۔ حضرت موسیٰ کی مانند پروردگار کے حضور میں گئے ہیں۔ انہوں نے اس امر پر بہت زیادہ اصرار کیا اور بہت سے لوگوں کو اپنا ہم نوا بنالیا اسی اثناء میں ایک صحابی کے قول کے مطابق حضرت ابوبکرؓ نے آکر یہ آیت پڑھی ”**و ما محمد الا رسول قد خلت من قبله الرسول افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم**“۔ ”محمد بھی اسی طرح ہیں، جس طرح پہلے انبیاء و رسول گزرے ہیں۔ اگر وہ مرجائیں یا قتل ہوجائیں تو کیا تم پیچھے کی طرف لوٹ جاؤ گے۔“

حضرت عمرؓ نے یہ بات سنتے ہی اپنا موقف کو چھوڑ دیا

(سیرت ابن ہشام، ج ۲ ص ۶۵۶)

امیر المومنین علیہ السلام نے پیغمبرؐ کے جسد مطہر کو غسل دیا، کفن دیا کیونکہ پیغمبرؐ نے فرمایا تھا کہ میرا نزدیک ترین فرد مجھے غسل دے گا (طبقات، ص ۵۷) یہ شخص حضرت علی علیہ السلام کے سوا کوئی نہیں تھا۔ اس کے بعد آپ نے حضورؐ کے چہرہ مبارک کو کھولا۔ حالت یہ تھی کہ حضرت امیرؑ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا سیلاب جاری تھا۔ آپؑ نے یہ جملے کہے ”میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں، آپؐ کے فوت ہونے سے نبوت و وحی الٰہی اور آسمانوں کی خبروں کا رشتہ جو کسی بھی مرنے والے کی موت پر قطع نہیں ہوتا، قطع ہوگیا ہے۔ آپؐ نے مصائب کے مقابلہ میں ہمیں صبر کی تلقین نہ کی ہوتی تو میں اس طرح آپؐ کے فراق میں آنسو برساتا کہ میں آنسوؤں کے سرچشمہ کو خشک کر دیتا۔ لیکن ہمارا حزن واندوہ اس راہ میں ہمیشہ ہے اور یہ آپ کی راہ میں بہت کم ہے۔ اس کے سوا چارہ نہیں ہے۔ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان ہوں۔ ہمیں دوسری دنیا میں یاد رکھئے گا اور اپنے دل میں محفوظ رکھئے گا۔

حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے آپؐ پر جنازہ پڑھی۔ اسی حجرہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔ رسم دفن امیر المومنین نے عباس اور فضل کی مدد سے ادا کئے۔ لوگ گروہ در گروہ حجرہ میں آتے رہے اور دعا پڑھتے رہے۔ یہ منگل کی ظہر تک جاری رہا۔

آخر کار اس شخصیت کی زندگی کے آفتاب نے غروب کیا جس نے اپنی انتھک قربانیوں اور جانبازیوں سے بشریت کی سرنوشت وتقدیر کو بدل کر رکھ دیا۔

اخبارِ غم

۱۔ جناب میاں مقبول حسین صاحب ننگیانہ آف جلالپور جدید ضلع سرگودہا کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جوار سیدہ سلام اللہ علیہا میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۲۔ جناب صوبیدار محمد حسین صاحب آف نیو سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا کی والدہ رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں اللہ تعالیٰ کی مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے۔

۳۔ راجہ منظور حسین صاحب آف فروکہ کی والدہ رضائے الٰہی سے انتقال فرماگئی ہیں اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے

۴۔ جناب ڈاکٹر ملازم حسین آف سنگورا کہ ضلع سرگودہا رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۵۔ جناب ملک محسن علی صاحب آف سرگودہا کے ماموں ملک عطا محمد رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۶۔ سلطان المدراس سرگودہا کے متعلم مولوی امیر عباس کے والد رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۷۔ سید تہذیب حسین شاہ آف چک نمبر ۱۹ تحصیل بھلوال ضلع سرگودہا کے جواں سال فرزند انتقال کر گئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۸۔ مدیر دقائق اسلام گلزار حسین محمدی کی ہمشیرہ علی پور سیداں ضلع سرگودہا میں رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں مرحومہ صوم وصلوٰۃ کی پابند اور عابدہ شب زندہ دار تھیں اللہ تعالیٰ مرحومہ کے درجات بلند فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۹۔ سردار سجاد حسین میکن آف سرگودہا کو صدمہ

سردار سجاد حسین میکن آف سرگودہا کے والد سردار عطاء محمد میکن طویل علالت کے بعد رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں اللہ تعالیٰ مرحوم کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل اور اجر جزیل عطا فرمائے۔

۱۰۔ ہومیو ڈاکٹر سید محمد سبطین آف چینن والا ضلع جہلم رضائے الٰہی سے وفات پاگئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کی بخشش فرمائے اور پسماندگان کو صبر کی توفیق عطا فرمائے۔

۱۱۔ حجۃ الاسلام مولانا ظہور حسین خان صاحب پرنسپل جامعۃ الزہراؑ کی بھاوج جلہ بالا ضلع سرگودہا میں رضائے الٰہی سے وفات پاگئی ہیں اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور پسماندگان کو صبر واجر سے نوازے۔

☆☆☆☆☆

اہل ایمان کیلئے عظیم خوشخبری

ہم انتہائی مسرت کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ حضرت آیت اللہ علامہ شیخ محمد حسین نجفی کی شہرۂ آفاق تصانیف بہترین طباعت کے ساتھ منصۂ شہود پر آچکی ہیں۔

۱۔ **فیضان الرحمن فی تفسیر القرآن** کی مکمل ۱۰ جلدیں موجودہ دور کے تقاضوں کے مطابق ایک ایسی جامع تفسیر ہے جسے بڑے مباحات کے ساتھ برادران اسلامی کی تفاسیر کے مقابلے میں پیش کیا جاسکتا ہے مکمل سیٹ کا ہدیہ صرف دو ہزار روپے۔

۲۔ **زاد العباد لیوم المعاد** اعمال وعبادات اور چہاردہ معصومین کے زیارات، سر سے لیکر پاؤں تک جملہ بدنی بیماریوں کے روحانی علاج پر مشتمل مستند کتاب منصۂ شہود پر آگئی ہے۔

۳۔ **اعتقادات امامیہ** ترجمہ رسالہ لیلیہ سرکار علامہ مجلسیؒ جو کہ دو بابوں پر مشتمل ہے پہلے باب میں نہایت اختصار وایجاز کے ساتھ تمام اسلامی عقائد واصول کا تذکرہ ہے اور دوسرے باب میں مہد سے لیکر لحد تک زندگی کے کام انفرادی اور اجتماعی اعمال وعبادات کا تذکرہ ہے تیسری بار بڑی جاذب نظر اشاعت کے ساتھ مزین ہو کر منظر عام پر آگئی ہے ہدیہ صرف تیس روپے۔

۴۔ **اثبات الامامت** آئمہ اثناعشر کی امامت وخلافت کے اثبات پر عقلی ونقلی نصوص پر مشتمل بے مثال کتاب کا پانچواں ایڈیشن

۵۔ **اصول الشریعہ** کا نیا پانچواں ایڈیشن اشاعت کے ساتھ مارکیٹ میں آگیا ہے ہدیہ ڈیڑھ سو روپے۔

۶۔ **تحقیقات الفریقین** اور **اصلاح الرسوم** کے نئے ایڈیشن قوم کے سامنے آگئے ہیں۔

۷۔ **قرآن مجید مترجم** اردو مع خلاصۃ التفسیر منصۂ شہود پر آگئی ہے جسکا ترجمہ اور تفسیر فیضان الرحمٰن کا روح رواں اور حاشیہ تفسیر کی دس جلدوں کا جامع خلاصہ ہے جو قرآن فہمی کے لئے بے حد مفید ہے۔ اور بہت سی تفسیروں سے بے نیاز کر دینے والا ہے۔

۸۔ **وسائل الشیعہ** کا ترجمہ تیرہویں جلد بہت جلد بڑی آب وتاب کے ساتھ قوم کے مشتاق ہاتھوں میں پہنچنے والا ہے۔

۹۔ **اسلامی نماز** کا نیا ایڈیشن بڑی شان وشکوہ کے ساتھ منظر عام پر آگئی ہے۔

منجانب

منیجر مکتبۃ السبطین 296/9 بی سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودہا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا

- جس نے کسی کو معاف کیا، اللہ اسے معاف فرمائے گا
- جو مصیبت پر صبر کرے اللہ اسے نعم البدل عطا کرے گا
- اللہ کو جس کی بھلائی مطلوب ہوتی ہے اسے دین کی سمجھ عطا کر دیتا ہے
- جسے جنت کا اشتیاق ہو، اس نے اچھائیوں کی طرف جلدی کی
- جو دوزخ سے ڈرا، اس نے خواہشات سے اجتناب کیا
- جس نے موت کو قریب جانا، لذات دنیاوی سے رُک گیا
- جس نے دنیا کو حقیر جانا اس کے لئے مصائب کا جھیلنا آسان ہو گیا
- جو خاموش رہا اس نے نجات پائی
- جس نے خدا کے لئے تواضع اختیار کی، اللہ نے اُسے بلند کیا
- جسے نیکی کر کے خوشی اور برائی کر کے غمی محسوس ہو وہ مؤمن ہے
- جس نے بیمار کی عیادت کی تو وہ اتنا وقت جنت کے کنارے میں رہا
- جو ڈرا اس نے تقویٰ اختیار کیا اور جس نے تقویٰ کو اپنایا منزل مقصود تک رسائی حاصل کی